تبصرہ

متعلق

کارروائی ترتیب کلیات حضرت امیر خسرو دہلوی رح

من ابتدائے تحریک لغایت دسمبر سنہ ۱۹۱۵ء

از

نواب حاجی محمد اسحٰق خان صاحب بہادر سی. ایس

آنریری سکریٹری مدرسۃ العلوم علی گڑھ

باہتمام محمد مقتدی خان شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۳۳۴ھ

۱۹۱۶ء
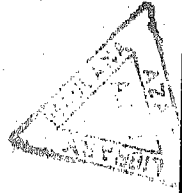
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب کُلّیاتِ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

تمہید

"اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا ھَیَّاَ اَسْبَابَہٗ"۔ جب کوئی کام ہونے والا ہوتا ہے
منشاء الٰہی کے ماتحت اُس کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ڈیڑھ سال کا زمانہ
گزرتا ہے کہ ماہ مئی ۱۹۱۴ء میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے متعلق سلسلہ مراسلت میں
میرے نہایت مکرم و محترم دوست شمس العلما نواب عماد الملک مولوی سید حسین
صاحب بلگرامی سی۔ ایس۔ آئی نے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جمع کرنے کا پہلی
بار خیال ظاہر کر کے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ نہایت وثوق کے ساتھ بلا خوف تردید
یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ہندوستان میں کوئی مصنف ایسا نہیں گزرا جس کی
تصنیفات اس درجہ لائق حفاظت و اشاعت ہوں، جیسا کہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ۔ لہذا

اگر آپ کی کوشش سے اس مشہور زمانہ عدیم النظیر مصنف کا پورا کلام نظم و نثر (جو جملہ اصناف سخن میں بزبانِ فارسی، ہندی اُردو موجود ہونا بیان کیا جاتا ہے) جمع ہو کر چھپ گیا، تو یہ قوم کی ایک بڑی عظیم الشان خدمت ہوگی جس کا نفع غیر محدود ہوگا۔ اور جو سعی کرنے والوں کے نام کو بھی زندہ جاوید بنادیگی۔ اور مجھے یقین ہے کہ یورپ میں خصوصیت کے ساتھ کلیات خسرو کی بہت مانگ ہوگی اور تمام نسخے ہاتھوں ہاتھ ٹھکانے لگجائیں گے۔

میں اس مہتم بالشان کام کی اہمیت اور دشواریوں کو خوب پہچانتا تھا۔ مگر فرمایش کی نتائج خیز اور دُور رس نوعیت اور صاحب فرمایش کی علم دوستی اور قابلیت نے خصوصاً اس جلیل القدر مصنف اور شاعر کی عظمت نے (جو کُل دنیا کے شُعرا میں اس وقت بھی اُس کو حاصل ہے) میرے دل پر ایسا اثر کیا کہ میں اُسکی تعمیل کی طرف ہمہ تن راغب ہوگیا اور باوجود اپنی عدم اہلیت اور علمی بے بضاعتی کے میں نے خداوند ذوالجلال والاکرام کی مدد پر بھروسا کرکے اس دشوار کام کی ذمہ داری قبول کرلی، اور ارادہ کے ساتھ ہی کام بھی شروع کردیا۔ چنانچہ نواب عماد الملک بہادر کو میں نے اطلاع دیدی کہ میں تعمیل ارشاد کے لیے بسر و چشم حاضر ہوں۔ مجھ سے جو سعی فراہمی و ترتیب کلیات میں ہوسکے گی اُس سے ہرگز کسی صورت میں دریغ نہ ہوگا۔

اس مختصر تمہید کے ساتھ میں اب اُس کارروائی اور اُس کی نوعیت کا ذکر

کرنا چاہتا ہوں جو اس وقت تک اس عظیم الشان کام کی تکمیل میں ہوئی ہے۔ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کے تفصیلی حالات کافی شرح و بسط کے ساتھ تو اُس رسالہ میں بیان ہونگے جو اس سلسلہ میں بنام نہاد "تذکرۂ حیات خسرو" انشاء اللہ العزیز عنقریب شایع کیا جائے گا۔ یہاں صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حضرت امیر خسرو کا زمانۂ حیات مؤرخین نے ۶۵۱ھ (مطابق ۱۲۵۳ء) سے ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) تک بتلایا ہے۔ آپ کی عمر ہنوز سات ہی سال کی تھی کہ آپکے پدر بزرگوار کا سایہ آپکے سر سے اُٹھ گیا۔ اور آپنے اپنے نانا نواب عماد الملک کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی اور نواب ممدوح کی نگرانی اور سرپرستی میں آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ خوشی کا مقام ہے کہ سات سو برس قبل ایک عماد الملک نے اس ہونہار شاعر کے نشو و نما دینے میں سعی کی اور اس مبارک عہد کے نواب عماد الملک کی توجہ اور امداد سے اُن جواہر کے جمع کیے جانے کا اہتمام درپیش ہے جن سے حضرت امیر خسرو فارسی علم کے خزانہ کو مالا مال کر گئے ہیں۔ یہ خزانہ ہماری غفلت، بے علمی اور ناقدری سے ہمارے ہاتھ سے بہت کچھ نکل چکا ہے اور اندیشہ ہے کہ اگر یہی لیل و نہار ہے تو کہیں رہا سہا بھی غارت نہ ہو جائے۔ شعر

کلیم، از دستِ بیدادِ کہ نالم — بکشتِ من گزارِ لشکر اُفتاد

قصہ کوتاہ ایک تو خود فطرت نے طوطی ہند، سلطان الشعراء حضرت امیر خسرو کی طبیعت میں فوق العادت ہمہ گیر قادر الکلامی اور بے نظیر سحر بیانی کا مادۂ ودیعت

کیا تھا اُس پر طرّہ یہ ہوا کہ آپ ۳۷ سال کی عمر میں دہلی کے پانچ مختلف بادشاہوں (یعنی (۱) معز الدین کیقباد (سنہ ۸۹ - ۶۸۶ ہجری / سنہ ۹۱ - ۱۲۸۷ عیسوی) (۲) جلال الدین فیروز شاہ سنہ ۹۵ - ۶۸۹ ہجری سنہ ۹۵ - ۱۲۹۰ عیسوی - (۳) محمد شاہ ۶۹۵ - ۷۱۵ ہجری سنہ ۱۲۹۵-۱۳۱۵ عیسوی (۴) غیاث الدین تغلق سنہ ۲۵ء ۷۲۱ ہجری سنہ ۲۴ - ۱۳۲۱ عیسوی اور (۵) محمد بن تغلق سنہ ۷۲۵ھ / سنہ ۱۳۲۴ء) کے الطاف شاہانہ اور توجہات مربیانہ کے مورد و مصدر بنے رہے لہٰذا اُن مختلف درباروں کی اپنی اپنی وقت پر گوناگوں دل آویزیاں، شاہوں کے سانحات وفات اور تخت نشینیوں کے جشن، صلح و جنگ، فتح و شکست، عزل و نصب عروج و زوال، ملک گیریاں اور ملک داریاں، سفر و حضر، امن و فساد، عیش و نشاط بخشش و کرم، بذل و سخاجس کی وجہ سے مشاہیر زمانہ کا ہجوم اُن کے درباروں میں عموماً رہا کرتا تھا یہ سب مناظر و اسباب اس خدائے سخن کے "سمند طبع پر ایک تازیانہ" ثابت ہوئے، جنھوں نے اُن کے دریائے سخن کو "ناپید اکنار" بنادیا۔ چنانچہ آپکی فکر کی وسعت، ذہن کے جودت، تصانیف کے کثرت، خیال کے پرواز اور کلام کی بوقلمونی اور رعذوبت نے صرف فارسی کے شاہان ملک سخن سے خراج تحسین حاصل کیا، بلکہ یورپ کے محقق مستشرقین نے آپ کو ملک ہندوستان کا ایک مشہور ترین فارسی شاعر اور نہایت باکمال ماہر فن موسیقی تسلیم کیا ہے۔ [ملاحظہ ہو فہرست کتبخانۂ شاہان اودھ مرتبہ ڈاکٹر اسپرنگر ایم ڈی صفحہ ۴۶۵ و فہرست کتب خانہ بانکی پور

مرتبہ ڈاکٹر ڈینیزن راس پی ایچ۔ڈی صفحہ ۱۷۶] اور بعض محققین نے تو آپ کو
اُن معدودے چند مشہور عالم سخن آفرینوں کے پہلو میں جگہ دی ہے جن کی بہت ہی
تھوڑی تعداد مادر گیتی پیدا کر سکی ہے۔ [ملاحظہ ہو تاریخ ہند مصنفہ سر ہنری ایلیٹ
جلد سوم ضمیمہ الف]۔

تذکرہ مجمع النفایس میں (جو ۱۱۶۴ھ میں لکھا گیا ہے) سراج الدین خاں آرزو
نے فردوسی اور امیر خسرو کے ایک شعر کا مقابلہ کیا ہے۔ فردوسی نے نقارہ کی آواز
کو ایک شعر میں اس طرح باندھا ہے کہ شعر بھی بامعنی رہا اور ایک مصرعہ کے الفاظ سے
نقارہ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ فردوسی کا وہ شعر یہ ہے:۔

زنقارہ آواز آمد بروں   کہ دون است دون است گردون دون

امیر خسرو نے اس کے مقابلہ میں شعر لکھا ہے:۔

دہل زن دہل زد بہ تحسین او   کہ دیں دین او دین او دین او

صاحب تذکرہ نے بتلایا ہے کہ علم موسیقی کے ماہر ارباب فن وق سمجھ سکتے ہیں
کہ خسرو کے شعر کا پایہ کسقدر بلند ہے اس لیے کہ نہ صرف ایک بامعنی مصرعہ کے الفاظ
باآواز دہل ادا کیے ہیں، بلکہ اس میں تال اور سُر کے اُصول کی پوری پابندی ملحوظ
رکھی ہے۔ تذکرہ دولت شاہی میں مذکور ہے کہ حضرت امیر خسرو ظاہری اور باطنی فضائل
کے باوجود علم موسیقی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اتفاقاً ایک بار ایک مطرب نے
اُن سے بحث کی کہ علم موسیقی عملی علوم میں سے ہے اور شعر شاعری سے باعتبار شرف

افضل ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں حضرت امیر خسروؒ نے ایک قطعہ لکھا ہے:-

مطربے می گفت با خسرو کہ ای گنجِ سخن — علمِ موسیقی ز علمِ شعر نیکوتر بود
زانکہ آں علمیست کز دقت نیاید در قلم — لیکن ایں علمیست کاندر کاغذ و دفتر بود
پاسخش دادم کہ من در ہر دو معنی کاملم — ہر دو را سنجیدہ بر وزنے کہ آں درخور بود
نظم را کردم سہ دفتر ور بہ تحریر آمدی — علمِ موسیقی سہ دفتر بودے ار باور بود
فرق گویم من میانِ ہر دو معقول و درست — گر دہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود
نظم را علمی تصور کن بہ نفسِ خود تمام — گو نہ محتاجِ اصول و صوتِ خنیاگر بود
گر کسے بے زیر و بم نظمے فرو خواند رواست — نے بہ معنی ہیچ نقصاں نے بہ نظم اندر بود
ور کند مطرب بسی ہاں ہاں ہوں ہاں در سرود — چوں سخن نبود ہمہ بے معنی و ابتر بود
نالۂ زن را ببیں کہ صوتے دارد و گفتارے نے — لاجرم در قول محتاجِ کسے دیگر بود
پس درین معنی ضرورت صاحبِ صوت و سماع — از برائے شعر محتاجِ سخن پرور بود
نظم را حاصل عروسے داں و نغمہ زیورش — نیست عیبی گر عروسِ خوب بے زیور بود
من کسی را آدمی دانم کہ داند ایں قدر — ور نداند پرسد از من ور نہ پرسد خر بود

چونکہ شاہانِ دہلی کے الطافِ خسروانہ کے ساتھ ہی حضرت امیر خسرو کو جناب محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی بارگاہ سے تصوف کا بے بہا خلعت بھی مرحمت ہوا تھا، لہٰذا اُن کے کلام میں تصوف کی دل رُبا چاشنی نے چار چاند لگا دیئے، جس کی بدولت آپ کے کلام کو قبولِ عام کا رتبہ حاصل ہوا۔

تذکرۂ دولت شاہ میں کتاب جواہر الاسرار مصنفہ مولانا شیخ عارف آذری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے مذکور ہی کہ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی نسبت حضرت امیر خسرو بہت کچھ حُسن عقیدت رکھتے تھے) اپنی پیرانہ سالی کے زمانہ میں ہندوستان تشریف لائے تھے اور حضرت امیر خسرو کو اُن کی ملاقات کا موقع ملا تھا۔ مگر اور تذکروں سے اس واقعہ کی تصدیق نہیں ہوتی۔

پوپ انگلستان کا ایک نامور شاعر گزرا ہی جس کی نسبت مشہور ہی کہ:۔

He lisped up in numbers for the numbers came.

یعنی بچپن ہی میں شعر کی اس قدر آمد تھی کہ اپنی توتلی زبان میں بھی جو کچھ بولتا تھا وہ اشعار ہی ہوتے تھے۔ اسی طرح بلا مبالغہ حضرت امیر خسرو کی نسبت کہا جا سکتا ہی کہ آپ کو بچپن ہی سے فن شعر میں پورا درک تھا۔ چنانچہ اپنے دیوان موسوم بہ "تحفۃ الصغر" کے دیباچہ میں حضرت خود تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے اوائل عمر ہی سے شعر گوئی کا فوق العادت ذوق تھا اور تمثیلاً ایک واقعہ لکھا ہی کہ جب خواجہ اعز الدین سے پہلی بار شرف ملاقات حاصل ہوا تو خواجہ ممدوح نے امتحاناً چار لفظ "موے، بیضہ، تیر اور خربزہ" ایسے تبلا کر جن میں کوئی باہمی رابطہ یا مناسبت نہ تھی یہ فرمایش کی کہ ایک رباعی تصنیف کیجئے جس میں یہ چاروں لفظ استعمال ہو جائیں۔ آپ نے فی البدیہہ ذیل کی رباعی موزوں کی:۔

ہر موئے کہ در دو زلفِ آں صنم است ✦ صد بیضۂ عنبریں براں موئے ضم است

چوں تیر مدار است دلش از زیرک   چوں خریزہ دندانش درونِ شکم است

صغر سنی میں حضرت امیر خسرو کی یہ جودت طبع دیکھکر خواجہ اعز الدین متحیر رہ گئے اور آپ کو "سلطانی" لقب دیا جو حضرت امیر خسرو کے ابتدائی کلام میں پایا جاتا ہے [فہرست کتب خانہ بانکی پور مرتبہ ڈاکٹر ڈینیسن راس صفحہ ۱۷۸]۔

آپ کے کلام کی فراوانی اور اُس کی فراہمی کی ناقابلِ عبور مشکلات کا اندازہ صرف ایک اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ عروج سلطنت تیموریہ کے زمانہ میں خاندانِ تیموریہ کے ایک جلیل القدر شہزادہ مرزا سنجر نام نے حضرت امیر خسرو کا پورا کلام جمع کرنے کا عزم مُصمم کیا۔ خداداد دولت اور علم دوست ندیموں کی مسلسل جدّ و جہد کی بدولت ایک لاکھ بیس ہزار اشعار فراہم کر سکا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد کسی دوسرے موقع پر اس شہزادہ کو حضرت کی غزلیات کے دو ہزار شعر اور دستیاب ہوئے، جس کے بعد شہزادہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت کے پورے کلام کی فراہمی عملاً محال ہے۔ اور مایوس ہو کر مزید جستجو سے دست بردار ہو گیا۔ (فہرست بانکی پور مرتبہ ڈاکٹر ڈینیسن راس صفحہ ۱۷۷]۔

یہ واقعہ اُس زمانہ کا ہے جب کہ مسلمان بحیثیت ایک زندہ قوم کے اس ملک میں حکمراں تھے اور اسلامی سلطنت اپنے علوم کی حامی و مُربّی تھی اور نسبتاً حضرت امیر خسرو کا عہد بھی قریب تھا۔ اس واقعہ کی روشنی میں اس امر کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ اس خسرو سخن کے پورے کلام کی فراہمی کی کوشش میں اس زمانہ کے حالات کیسے

ماتحت کس حد تک کامیابی کی اُمید ہو سکتی ہے۔ تاہم میں نے ہمت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور امکانی سعی کلام کے جمع کرنے میں کی گئی۔ اور اس کوشش کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ شعر

چلا ہی جاتا ہوں میں گو چلا نہیں جاتا
غضب ہے شوقِ رسائی و دُوریِ منزل

بہر حال کام شروع ہو گیا ہے اور اُس کی تکمیل تائید ایزدی پر منحصر ہے۔

تا نہالِ آرزو کے بر دہد
حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

(۲) فنڈ

یہ ظاہر ہے کہ کوئی تحریک خواہ چھوٹی ہو یا بڑی روپیہ کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ (کامیابی درکنار کام کا اجرا ہی روپیہ پر منحصر ہے)۔ چنانچہ جس وقت نواب عماد الملک بہادر نے ترتیب کلیاتِ خسرو کی تحریک فرمائی تو خود ہی تحریر فرمایا تھا کہ میں دولت مند نہیں ہوں۔ اگر میرے پاس دولت ہوتی تو میں اس کام کے لیے اُس کو وقف کر دیتا۔ بایں ہمہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا میں اس کام میں مالی مدد دونگا، اور اپنے احباب سے بھی کچھ رقم وصول کر کے بھیجونگا۔ کام شروع کرنے کے لیے خود ایک ہزار روپیہ اس وقت دیتا ہوں اور بوقت ضرورت ایک ہزار روپیہ

اور دونگا۔ نواب صاحب ممدوح نے یہ بھی لکھا تھا کہ ہمارے رئیسِ وقت اعلیحضرت نظام الملک خلد اللہ ملکہٗ علم و سخن کے قدرداں ہیں۔ خود بھی تعلیم یافتہ ہیں۔ علم ادب کے خصوصاً بہت بڑے قدر شناس ہیں اور مذاق بھی اعلیٰ درجہ کا رکھتے ہیں۔ لہذا اگر آپ کی طرف سے درخواست امداد پیش ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ حضور ممدوح امداد اور سرپرستی سے دریغ نہ فرمائینگے۔ چنانچہ سرکار آصفیہ سے مالی امداد حاصل کرنے کی غرض سے ایک عرض داشت نواب سالار جنگ بہادر کی خدمت میں پیش کی گئی جو اُس وقت عہدۂ جلیلہ وزارت پر ممتاز تھے۔ میں نہایت شکر گزار ہوں کہ اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ ملکہٗ نے مبلغ ساڑھے سات ہزار روپیہ کی گرانقدر امداد خسرو فنڈ کو اس شرط پر مرحمت فرمائی کہ بعد اشاعت ہر کتاب کے بیس بیس نسخے کتب خانہ آصفیہ میں داخل کیے جائیں۔ نواب سالار جنگ بہادر نے بھی از راہ علم دوستی مبلغ ایک ہزار روپیہ عطا فرمایا اور ڈھائی سَو روپیہ سکہ حالی نواب عماد الملک بہادر کی معرفت جناب مولانا انوار اللہ خان بہادر نے عنایت فرمائے۔ غرض کہ ابتدائی تحریک سے اِس وقت تک فنڈ میں حسب تفصیل ذیل آمدنی ہوئی:۔

ستمبر ۱۹۱۴ء عطیہ نواب عماد الملک بہادر ۱۰۰۵ روپیئے۔

نومبر ۱۹۱۴ء عطیہ نواب سالار جنگ بہادر ۱۰۰۰ روپیئے۔

" عطیہ ثانی نواب عماد الملک بہادر ۱۰۰۰ روپیئے۔

" عطیہ مولانا انوار اللہ خاں بہادر بعد وضع بٹہ حالی ۲۰۹ رُپیئے ۱۰ آنے ۱۰ پائی

	روپیے	آنہ	پائی
مئی ۱۹۱۵ء عطیۂ سرکار آصفیہ (بعد وضع کمیشن بنک)	۷،۴۶۲	۶	۶
میزان کل	۱۰،۶۷۶	۱۳	۴

منجملہ اس رقم کے چھ ہزار روپیہ کے پرامیسری نوٹ (بقیمت ۵،۳۲۹ روپیے ۱۰ آنے ۶ پائی) خرید لیے گئے ہیں تاکہ پورا سرمایہ معطل نہ پڑا رہے اور فنڈ میں منافع کی آمدنی کا اضافہ ہوتا رہے۔ باقی رقم مبلغ ۵،۳۴۷ روپیے ۲ آنے ۱۰ پائی میں سے فراہمی و تصحیح و ترتیب کلیات کے کام پر روپیہ بتدریج خرچ ہو رہا ہے۔ مصارف کی مقدار اس وقت تک قریب ۲ ہزار روپیے کے ہے جو خریدے ہوئے نسخوں کی قیمت، تصنیف کی تلاش، مختلف لائبریریوں کے مستعار نسخوں کی نقل کی اجرت اور نقول کے مقابلہ وصحت کے معاوضہ کی صورت میں خرچ ہوا ہے۔

افسوس ہے کہ باوجود اخبارات میں متواتر اعلانات کے پبلک نے ابتک اس طرف اپنی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا، اور نہ ادر کسی قسم کی اس کام میں مدد کی جس سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بدقسمتی سے پبلک نے اس کام کی اہمیت اور وقعت کو نہیں پہچانا، نہ اُس کو اس ضرورت کا ابتک صحیح احساس ہوا ہے۔

مجھے خصوصیت کے ساتھ اس کا افسوس ہے کہ باوجود میری متواتر استدعاؤں کے (سوائے معدودے چند احباب کے) اُن ارباب علم کی طرف سے بھی بے التفاتی ظہور میں آئی جن سے مجھے ترتیب کلیات کے کام میں بہت کچھ علمی و عملی امداد کی توقع تھی۔ اس عدم توجہی کو دیکھتے ہوئے بے اختیار میرے قلم سے نکلتا ہے۔ شعر

سرکنم شکوہ اگر تابِ شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقتِ دیدن داری

میرے اس شکوہ کی تائید اُن بہت سی ضخیم امثلہ سے ہوتی ہے جو ترتیب کلیات کی کوشش کے دوران میں بن گئی ہیں جن سے اس بے شمار مراسلت کا تو پتہ چلتا ہے جو کام کو آگے بڑھانے کی غرض سے کی گئی، مگر متوقع جوابات اگر تلاش کیے جائیں تو بہت ہی کم ملیں گے۔

خوش قسمتی سے اعلیٰ حضرت حضور نظام کی سخاوت اور علم دوستی نے کام کرنے کا موقع دیدیا جس کی بدولت اس کارروائی کا نتیجہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہدیۂ ناظرین ہونا شروع ہوگا۔

مولوی محمد ریاض حسن صاحب نے پٹنہ سے براہ مہربانی مجھے بانکی پور کے کتب خانہ کی ایک فہرست تصانیف خسروی کی بھیجی تھی اور بذریعہ تحریر مشورہ دیا تھا کہ پبلک سے اپیل کیا جائے کہ یا تو یکمشت چندہ دیں یا ماہوار چندہ مقرر کریں یا کلیات کے چند نسخوں کی خریداری منظوری کر کے نصف قیمت پیشگی عنایت کریں، یا ایک نسخہ کی خریداری قبول کر کے پیشگی قیمت ادا کردیں تاکہ قلت فنڈ کی وجہ سے کام نہ رکنے پائے مگر میں نے نظر بحالت مذکورۂ بالا سر دست یک در گیر محکم گیر کے اصول پر عمل کرنا مناسب سمجھا اور حضور نظام خلد اللہ ملکہ کی گرانقدر سرپرستی پر قانع رہا اور رہوں۔

(۳) ڈیڈیکیشن

اعلیٰ حضرت دام اللہ اجلالہٗ واقبالہٗ نے نہ صرف گراں بہا عطیہ سے حامیان ترتیب کلیات خسروی کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، بلکہ میری اس عرضداشت پر کہ یہ سلسلۂ اشاعت چونکہ اس ملک میں اپنی قسم کا پہلا کارنامہ ہے، لہذا اس سلسلہ کا اعلیٰ حضرت کے نام سے منسوب ہونا اس کی اہمیت اور قدر افزائی کا باعث ہوگا، اگست ۱۹۱۵ء میں کلیات کو حضور ممدوح الشان نے اپنے نام نامی و اسم سامی سے معنون کیے جانے کی خاص فرمان کے ذریعہ سے باضابطہ اجازت مرحمت فرماکر ملک کے علم دوست طبقہ کو رہین منت فرمایا ہے۔

(۴) تحقیق تصنیفاتِ حضرت امیر خسروؒ

فراہمی و ترتیب کلیات خسروؒ کے دوران میں سب سے پہلا کام حضرت امیر خسروؒ کی تصنیفات کی تعداد اور اُن کے ناموں کی تحقیقات تھی۔ حضرت کی تصانیف کی تعداد کے متعلق خود مورخین اور تذکرہ نویسوں میں بہت اختلاف ہے۔ جامی رحمۃ اللہ علیہ نے (جن کا زمانہ حضرت امیر خسرو سے نسبتاً قریب ہے) نفحات الانس میں تصنیفات خسروی کی تعداد ۹۲ بتلائی ہے۔ تذکرۂ خوش گو شعرائے فارسی کی ایک ضخیم تاریخ ہے جس کا چھپنا ثابت نہیں ہوتا، مگر ممالک یورپ کے کتب خانوں کی فہرستوں میں اس

کا جا بجا ذکر ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے ۱۸۴۸ء میں شاہان اودھ کے تین کتب خانوں
یعنی توپ خانہ، موتی محل اور فرح بخش کی کتابوں کی فہرست گورنمنٹ آف انڈیا کے
حکم سے مرتب کی تھی۔ اس فہرست میں تذکرۂ خوش گو کا حضرت امیر خسرو کی تصنیفات
کے متعلق مندرجہ ذیل اقتباس درج ہے۔ "مشہور است کہ نود و نہ کتاب تصنیف
کردہ۔ اما آنچہ از مثنویات متداول است این تفصیل وارد۔ (۱) خمسہ یعنی مطلع الانوار
لیلیٰ مجنوں، خسرو شیریں، آئینہ سکندری، ہشت بہشت، ہژدہ ہزار بیت (۲) مثنوی
عشقیہ چہار ہزار بیت (۳) قران السعدین پنجہزار بیت (۴) مثنوی نہ سپہر چہار ہزار
بیت (۵) تغلق نامہ ناتمام سہ ہزار بیت۔ و تعداد دیوان غزل وغیرہ مشخص نیست
و در نثر اعجاز خسروی و تاریخ دہلی، خزاین الفتوح، مناقب ہند و چند رسالہ دیگر در علم
انشا، (۶) در موسیقی و رسالہ خالق باری را ہم بدو منسوب دارند کہ اطفال ہندوستان
آن را می خوانند۔ وآنچہ در ہندی زبان کارستہا نہا کردہ ہیچ شاعرے را دست
نداده۔ چنانچہ اشعار مطائبہ در میان شادیہا بہ ہندوستان رائج است و لطائف
و ظرائف آن غازۂ قبول شہرت بر روے دارد" اس تذکرہ کے بموجب تصانیف
خسروی کی تعداد ۹۹ ہوتی ہے۔ لیکن تذکرۂ ہفت اقلیم میں (جو امین الدین رازی نے
۱۰۰۲ ہجری میں مرتب کیا) تصانیف کی تعداد بجائے ۹۹ کے ۱۹۹ درج کی
ہے۔ دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ خود حضرت امیر خسرو نے
اپنی کسی تصنیف میں اشعار کی تعداد پانچ لاکھ کے درمیان بتلائی ہے۔ تاریخ فرشتہ

ہیں آپ کے اشعار کی تعداد پانچ لاکھ تک لکھی ہوئی ہے۔ اس تحقیقات میں بڑی مشکل یہ پیش آئی ہے کہ تذکرہ نویسوں نے تعداد تصنیفات کا تخمینہ بتلاتے ہوئے اُن کے ناموں کی کم وبیش مکمل فہرست لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اور یورپین علماء مستشرقین کے شوق علمی کا یہ حال ہے کہ ڈاکٹر اسپرنگر نے (جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور جو ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے تھے) ہندوستان سے ایک بہت بڑا ذخیرہ نایاب قلمی کتابوں کا (جن کی تعداد ۲۰۵۲ سے زیادہ تھی) برلن کے کتب خانہ میں بھجوا دیا، جو اسپرنگر کلکشن کے نام سے مشہور ہے۔ ان کتابوں کی جس فہرست کا اس وقت تک مجھے پتہ چلا ہے وہ جرمن زبان میں ہے۔ یورپ میں قلمی مسودات کے شوق کا یہ عالم ہے کہ لندن کی لیوزک کمپنی نے اپنی فروختنی قلمی نسخوں کی فہرست میں مثنوی شیریں خسرو کے ایک مختصر نسخہ کی قیمت ایک سو ساٹھ روپئے درج کی ہے حالانکہ اس مثنوی کے قلمی اور مطبوعہ نسخے ہر جگہ سے بآسانی میسر آسکتے ہیں۔ ایسی صورت میں جب کہ تذکروں میں تصانیف کی فہرست کا اہتمام نہ کیا گیا ہو اور اس ملک کی نایاب تصنیفات کے خزانے اہل ملک کی بد مذاقی کے طفیل رفتہ رفتہ سب یورپ کے علمی جواہر خانوں میں پہنچ چکے ہوں تو حضرت امیر خسرو کے کلام کا پتہ چلانا دشوار سے دشوار تر کام ہو گیا ہے۔ کل تصنیفات کی تعداد کے تعین میں تو اختلاف تھا ہی حضرت کے دیوانوں کی تعداد میں بھی مختلف فہرستوں میں اتفاق نہیں۔ جس قدر فہرستیں پرانے زمانہ میں مرتب ہوئی ہیں اُن میں حضرت امیر خسرو کے

صرف چار دیوان مذکور ہیں، یعنی تحفۃ الصغر، وسط الحیوۃ، غرۃ الکمال اور بقیہ نقیہ۔ لیکن مسٹر چارلس ریو نے لندن کے برٹش میوزیم کی کتابوں کی جو فہرست ۱۸۸۳ء میں مرتب کی اُس میں پہلی بار پانچ دیوانوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ اور پانچویں دیوان کا نام نہایت الکمال لکھا ہوا ہے جو اس کتب خانہ میں موجود ہے۔ بانکی پور لائبریری میں بھی اس کا ایک نسخہ ہے اور دوران تحقیقات میں معلوم ہوا کہ یہ دیوان دہلی میں چھپ بھی چکا ہے۔ مغرب کے علماء مستشرقین نے اثنائے فراہمی کلام میں حضرت امیر خسرو کی تصنیفات کو تاریخی حیثیت سے بھی بہت غور کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ چنانچہ سرہنری ایلیٹ نے اپنی تاریخ ہند کی جلد سوم کے ضمیمہ کے طور پر مثنوی خزائن الفتوح اور قران السعدین میں سے ایک مبسوط خلاصہ اُن تاریخی واقعات کا لکھا ہے جو ان مثنویوں کا موضوع ہیں اور پھر آگے چلکر مثنوی عشقیہ و نہ سپہر و اعجاز خسروی کا خلاصہ بھی کر دیا ہے۔ تذکرہ نویسوں میں تصنیفات خسروی کی تعداد کے متعلق جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کے بعض وجوہ دوران تحقیقات میں مجھے معلوم ہوئے۔ یورپ کی مشہور لائبریریوں کی فہرست ہائے کتب دیکھنے سے پتہ چلا کہ دنیا کے مختلف کتب خانوں میں حضرت امیر خسرو کی ایک ایک تصنیف کے مختلف قلمی نسخے موجود ہیں جن کے مضامین اور اُن کی ترتیب ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ مثلاً دیوان امیر خسرو کے نام سے بیسیوں نسخے مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں جو حقیقت میں حضرت امیر خسرو کے پانچوں دیوانوں کی مختلف غزلیات کا مجموعہ ہیں۔

مختلف لوگوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق دیوانوں میں سے غزلیات
وقصائد کا انتخاب واقتباس کرلیا، لہذا یہ دیوان ایک دوسرے سے مطابق
نہ ہونے کی وجہ سے بادی النظر میں جُدا جُدا تصنیف خیال کیے جاسکتے ہیں۔
اسی طرح کلیاتِ امیر خسرو کے مختلف نسخے کتب خانوں میں موجود ہیں جن میں
اہلِ ذوق نے یا تو اپنے اپنے رُجحانِ طبع کے مطابق کلام جمع کرلیا یا جس کو جس قدر
کلام میسّر آیا ایک جگہ کرلیا۔ یہی حال مثنویات اور قصائد کے مختلف مجموعوں
کا سمجھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ حضرت کی مصنّفہ کتابوں میں سے ایک ایک
کتاب کئی کئی ناموں سے ملقب ہے۔ مثلاً مثنوی عشیقہ کے متعدد نام ہیں۔ اس کو
بعض نے مثنوی عشقیہ کہا ہے۔ قصّہ دولرانی وخضر خاں ونسخہ خضر خانی بھی اسی کے
نام ہیں۔ مہتمم صاحب کتبخانہ حیدر آباد کی تحریر سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ مقابلہ
کرنے پر مثنوی آغازِ عشق بھی یہ ہی مثنویِ عشیقہ ثابت ہوئی۔ دہلی سے حال میں
بعض مطبوعہ تصانیفِ خسروی کا اشتہار شایع ہوا تھا۔ اس میں اسی مثنوی کا
نام "منشورِ شاہی" بھی لکھا تھا۔ اس طرح ایک کتاب کے چھ نام ہو گئے۔ کتب خانہ
حیدر آباد سے ایک کتاب "مثنوی در تعریف دہلی" کے نام سے مجھے موصول ہوئی
تھی اور اُس کی نقل ہو چکی تھی۔ تصحیح کی غرض سے جب مقابلہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ
یہ مثنوی قران السعدین ہے۔ کتاب خزائن الفتوح کی لوح پر اس کا نام سرور الروح
اور تاریخ علائی بھی لکھا ہوا پایا گیا۔ انڈیا آفس لائبریری کی فہرست میں دیوان

غرۃ الکمال کا نام کتاب الکمال بھی درج ہے۔ اسی فہرست سے معلوم ہوا کہ مثنوی
مفتاح الفتوح یا فتح الفتوح (جس میں سلطان جلال الدین فیروزشاہ کے فتوحات
کا ذکر ہے) ابتداءًمیں دیوان غرۃ الکمال کا جزو تھی اور اسی مثنوی کا نام فتح نامہ
بھی تھا۔ چنانچہ رام پور کے کتب خانہ میں یہ مثنوی اب بھی اس نام سے دیوان
غرۃ الکمال کے جزو کی حیثیت سے موجود ہے۔ حال میں جب کلام خسروی کی
تلاش میں میرا رام پور جانا ہوا اور کتب خانہ ریاست سے حضرت امیر خسرو کی تصنیفات
برآمد کرائی گئیں، تو پتہ لگا کہ مجموعہ مثنویات و قصاید میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ
نے بعض مثنوی اور قصیدہ کو خاص نام سے ملقب کردیا ہے۔ مثلاً ایک مثنوی
کا نام باز نامہ ہے، دوسری کا اسپ نامہ یا فرس نامہ ہے جس کا ذکر تاریخ فیروز
شاہی ضیاء برنی مطبوعہ کلکتہ میں بھی درج ہے۔ ایک قصیدہ کا نام "بحر الغبرٰ"
معلوم ہوا اور ایک قصیدہ کا نام "مرآۃ الصفا" ہے جو حکیم خاقانی کے قصیدہ
کے جواب میں ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ دوسری مثنویوں کے اور نام ہوں جس
سے تصانیف کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض ایسی کتابیں جو حقیقت
میں دوسرے مصنفوں کی تصنیف ہیں عام طور پر حضرت امیر خسرو کا کلام سمجھی جاتی
ہیں۔ مجھے نہایت تعجب ہوا کہ ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری سے (جو اس
ملک میں علمی تحقیقاتوں کا تنہا مرکز ہے) ایک نسخہ قلمی "صفات العاشقین" نام
بہ حیثیت کلام حضرت امیر خسرو میرے پاس بھیجا گیا، حالانکہ یہ امیر خسرو کا کلام نہ تھا

اوّل تو اس نسخہ کے عنوان میں اس کے مصنف "ہلالی" کا نام درج ہی یہ نام طلائی زمین پر سفید روشنائی سے لکھا ہوا تھا اور اب اسقدر مٹ گیا ہی کہ کافی غور کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس کے علاوہ مولوی رشید احمد صاحب "سالم" پروفیسر فارسی مدرسۃ العلوم علی گڑھ نے (جنھوں نے مجھے اس کام کی نگرانی میں بڑی قابل قدر مدد دی ہی) اس کو ملاحظہ کیا تو اُس میں کافی اندرونی شہادت اس امر کی موجود پائی کہ یہ کتاب مولانا ہلالی کی تصنیف ہی۔ مثلاً خاتمہ کتاب پر مصنف نے اپنا تخلص ذکر کیا ہی:۔

مرا آخر ہلال خویش انگار | "ہلالی" را ہلالِ خویش انگار

اور آگے چل کر شاعر نے دو جگہ پھر اپنا نام ظاہر کیا ہی:۔

"ہلالی" را ہوائے آشنائیست | بخورشید آشنائے روشنائیست
"ہلالی" ایں چہ دریای معانیست | کہ موج آں زبحر آسمانیست
بوصف عاشقاں دفتر کشادم | صفات العاشقیں نامش نہادم
نوشتم نامۂ در نیک نامی | کہ خسرو آفریں کرد و نظامی

انڈیا آفس لائبریری کی مطبوعہ فہرست میں بھی یہ کتاب مولانا بدرین ہلالی استرآبادی کی تصانیف کے ذیل میں درج ہی۔ اس کتاب کے متعلق میں نے ایک مفصّل نوٹ مشعر حالات مذکورۂ بالا سکرٹری صاحب ایشیاٹک سوسائٹی کی خدمت میں بھیج دیا ہی۔

ایسی ہی ایک کتاب مثنوی "اشک و آہ" حضرت امیر خسرو سے منسوب ہو کر کتب خانہ حیدرآباد سے میرے پاس آئی جس میں جابجا اندرونی شہادتیں ایسی موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب حضرت امیر خسرو کا کلام نہیں ہے۔ اس کتاب کو ملاحظہ کر کے مولوی رشید احمد صاحب پروفیسر فارسی مدرسۃ العلوم علی گڈھ نے حسب ذیل نوٹ لکھکر مجھے دیا تھا:-

"مثنوی اشک و آہ حسب الحکم نواب صاحب بہادر میں نے دیکھی۔ یہ مثنوی حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب تھی۔ اور اس یقین کے ساتھ میں نے اس کو بغرض تصحیح دیکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن چند صفحات پڑھنے کے بعد مجھے شبہ ہوا اور یہ شبہ بتدریج بڑھتا گیا، کیونکہ اس میں جابجا ایسی ترکیبیں پائی گئیں جو متاخرین خیال بندوں (مثلاً بیدل اور غنیمت وغیرہ) کے اختراعات ہیں اور متقدمین کے کلام میں نہیں پائی جاتیں۔ حتیٰ کہ جلال اسیر کا کلام بھی جو خیال بندی کا موجد سمجھا جاتا ہے، اس قسم کی ترکیبوں اور اس نہج کی بندشوں سے عاری پایا جاتا ہے۔ مثنوی کا معتدبہ حصہ پڑھنے کے بعد مجھکو یقین ہو گیا کہ اس کا مصنف غنیمت یا اس کا کوئی ہمرنگ و ہمعصر شاعر ہے۔ کیونکہ اس گروہ کے طرز خیال کے صریح نشانات جابجا نمایاں معلوم ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر چند ترکیبیں عرض کرتا ہوں۔

"نگاہ خوں بدامن" "نالہ محشر خروش" "چمن ساز نگاہ شرر در خرمن سیما" "تماشن چاک پیراہن" "دفتر نویس شعلہ" "قیامت در رکاب موج خون"

"طلوع نشۂ پیمانۂ غم"۔ "نمک حل ساز جاں ریش"۔ "شریک کاروان دل بدوش"۔ "قیامت حل کن وودر ساغر م ریز" یہ اور اس قسم کی بہتیرا بندشیں جو مثنوی میں بکثرت ہیں اس امر کا یقین دلانے کے لیے کافی ہیں کہ یہ مثنوی حضرت امیر خسرو کی نہیں ہوسکتی، خاص کر ان لوگوں کے لیے جو فارسی شاعری کے مختلف ادوار کے کلام پر غائر نظر رکھتے ہیں۔ آگے چل کر ایسے واقعات ملے جن کو دیکھکر کسی شخص کے دل میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ سکتا۔ مثلاً صفحہ ۴۲ پر میر محمد زماں راسخ کا مرثیہ لکھا ہے جن کی وفات ۱۱۰۷ھ ہجری میں ہوئی۔ اور صفحہ ۴۷ پر بادشاہ دین پناہ محی الدین اورنگ زیب بہادر غازی کی تعریف لکھی ہے۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کتاب امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہوسکتی اصل یہ ہے کہ یہ مثنوی میر غازی شہید لاہوری کی تصنیف ہے جن کی وفات ۱۱۳۰ھ میں ہوئی اور جو میر محمد زماں راسخ سرہندی کے شاگرد ہیں، جیسا کہ انھوں نے مثنوی میں ایک جگہ اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔"

اسی طرح مجھے معلوم ہوا تھا کہ فن موسیقی میں ایک کتاب "راگ درپن" نام حضرت امیر خسرو کے زمانہ میں تصنیف ہوئی ہے۔ اس نام کا ایک قلمی نسخہ فارسی زبان میں مجھے ندوۃ العلما لکھنؤ کے کتب خانہ سے بہم پہنچا جس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب ایک شخص ہنونت نامی نے راجہ مان سنگھ والی گوالیار کی فرمایش پر سنسکرت زبان میں لکھی تھی جس کا ترجمہ فقیر اللہ نامی ایک شخص نے ۱۰۷۳ھ ہجری

میں بزبان فارسی کیا جو راگ درپن کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب نہایت قابل قدر ہے اور میرا قصد ہے کہ اسی سلسلہ میں ترتیب کلیات سے فارغ ہو کر اس کتاب کو بھی شایع کروں، چنانچہ میں نے اس کی نقل کرا لی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ایک کتاب مسمیٰ بہ "خیالات خسروؒ" کی نسبت مجھے پتہ لگا تھا کہ یہ امیر خسروؒ کی تصنیف ہے مگر رام پور کے کتب خانہ میں اس نام کا ایک رسالہ موجود تھا جس کے دیکھنے سے ثابت ہوا کہ وہ حضرت امیر خسروؒ کے زمانہ سے بہت بعد کی تصنیف ہے، اور چونکہ اس کتاب کے شروع میں الفاظ "خیالات خسروؒ" واقع ہوئے ہیں غالباً اس لحاظ سے اس کو امیر خسروؒ سے منسوب کر دیا گیا۔

ایک قلمی نسخہ بہ نام "رقعات امیر خسروؒ" میرے ایک لکھنوی دوست نے مجھے دیا تھا۔ مگر اس کی بابت بھی یہی تحقیق ہوا کہ وہ غیر کا کلام ہے۔ ریاست حیدرآبادؔ سے دو نسخے قلمی "رقعات حضرت امیر خسروؒ" کے نام سے آئے تھے۔ ان نسخوں کو ملاحظہ کر کے میرے دوست مولوی شیخ بشیر الدین صاحب رئیس میرٹھ نے (جن کا سا علمی مذاق فی زماننا مسلمانوں میں کم پایا جاتا ہے) مجھے مندرجۂ ذیل نوٹ لکھکر دیا تھا:-

"میں نے ہر دو جلد رقعات کو (جو کتب خانہ آصفیہ سے آئی ہیں اور حضرت امیر خسروؒ سے منسوب ہیں) معائنہ کیا۔ ایک کتاب میں اول ورق اور چند اوراق دیگر مقامات سے گم ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے بادی النظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ دو جُدا جُدا کتابیں ہیں، اگر حقیقت میں یہ دونوں کتابیں ایک ہی نسخہ کی نقلیں ہیں۔ پہلے معائنہ ہی میں

عبارتِ کتاب کی طرز سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ حضرت امیر کا کلام نہیں۔ خصوصاً دیباچہ کے عنوان سے پورے طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ مصنف مکتوبات کوئی دوسرے بزرگ ہیں جنھوں نے اپنی کتاب کو تیمناً و تبرکاً حضرت امیر خسرو کی مثنوی سے شروع کیا ہے۔ دیباچہ کی عبارت یہ ہے:۔

"عنوان نامہ خیالات از مثنوی صاحب کمالات صوری و معنوی امیر خسرو دہلوی بیار است"

اس کے علاوہ رقعات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے بہت سے مختلف شعراء کے اشعار ان رقعات میں تحریر کیے ہیں۔ حضرت امیر خسرو نے جو غیور طبیعت پائی تھی اُس سے یہ امر بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے کلام کی تزئین دیگر شعرا کے اشعار سے فرماتے۔ پھر یہ کہ جن شعرا کا کلام نقل کیا گیا ہے اُن میں بعض حضرات مثل خواجہ حافظ شیرازی و مولنا جامیؒ و عرفی شیرازی حضرت امیر کے بہت بعد ہوئے ہیں۔ ان شعراء کے چند اشعار یہاں نقل کرتا ہوں جو ان رقعات میں درج ہیں:۔

خواجہ حافظ شیرازی رح

صفحہ ۳۔ ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

"کشتی شکستگانیم ای باد شرطہ برخیز ÷ باشد کہ باز بینیم آں یارِ آشنا را

صفحہ ۱۸۔ زاہد شرابِ کوثر و حافظ پیالہ خواست
تا در میان خواستۂ کردگار چیست

صفحہ ۲۳۔ آسایشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرفست
با دوستاں تلطّف با دشمناں مدارا

صفحہ ۲۹۔ مصلحت نیست کہ از پردہ بروں اُفتد راز
ورنہ در مجلسِ رنداں خبری نیست کہ نیست

ان کے علاوہ اور بہت سے اشعار حضرت حافظ رح کے ان رقعات میں جابجا منقول ہیں۔

اشعار مولٰنا جامی رح

صفحہ ۱۹۔ چیست میدانی صدائے چنگ و عود
اَنْتَ حَسْبِیْ اَنْتَ کَافِیْ یَا وَدُوْدُ
آہ ازیں مطرب کہ از یک نغمہ اش
آمدہ در رقص ذرّاتِ وجود
نیست در افسردگاں ذوقِ سماع
ورنہ عالم را گرفت است ایں سرود

صفحہ ۵۱۔ ہمسایہ و ہمنشین و ہمرہ ہمہ اوست
در دلق گدا و اطلسِ شہ ہمہ اوست

در انجمن فرق و نہاں خانہ جمع

باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ وست

عرفی شیرازی

چناں بانیک و بد عرفی بسر کن کز پس مردن

مسلمانت بہ زمزم شوید و ہندو بسوزاند

علاوہ ازیں دو موقعوں پر حضرت امیر کا کلام بھی نقل کیا گیا ہے؛ اور اُس عبارت سے واضح ہے کہ نقل کرنے والا کوئی دوسرا شخص ہے۔

صفحہ ۳۴۔ وخوشتر ازیں بشنو قول امیر خسرو ؒ

ہر کہ قانع شد بخشک و تر شہ بحر و بر است

صفحہ ۴۱ پر حضرت امیر کا کلام اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

نازم بآں دلے کہ از شعلہ عشق افروختہ بہ آتش محبت سوختہ باشد چنانچہ امیر خسرو می فرماید رباعی

از آتش عشق ہر کہ افروختہ نیست	با او سر سوزن دلم دوختہ نیست
گر سوختہ دل نہ ز ما دور کہ ما	آتش بہ دلے زنیم کو سوختہ نیست

حافظ شیرازی، مولنا جامی اور عرفی کا زمانہ حضرت امیر خسرو کے بعد ہوا ہے۔

حضرت امیر خسرو کا سنہ رحلت ۷۲۵ہجری ہے۔ اور آپ کی تاریخ رحلت یہ ہے۔

خسرو دہلوی بحکم خدا	بشب جمعہ شد ز دار فنا

عمر ہفتاد و پنج سالش بود — کاں زماں شد بدرگہ معبود

ہژدہم بود از مہ شوال — کہ گذشتہ ازیں جہان ملال

خسرو دہلوی بہشتی بود — سال نقلش بگو کہ چشتی بود (۷۲۵ھ)

سال نقلش خرد عیان ننہفت — باز شکر مقال طوطی گفت (۷۲۵ھ)

حضرت مولانا جامیؒ کا سنہ رحلت ۸۹۹ھ ہجری ہے اور آپ کی تاریخ رحلت یہ ہے۔

افصح بے نظیر جامی بود — بکمالات علم نامی بود

ہمہ تصنیف آں معلّے شاں — عدد جام شد رقم برخواں

ہاتفم گفت سال رحلت او — جائے جامی بہشت عدن بگو (۸۹۹ھ)

عرفی شیرازی کا زمانہ ۱۰۰۰ھ ہجری کا ہے اور خواجہ حافظ شیرازیؒ کا سنہ وفات ۷۹۱ھ ہجری ہے اور آپ کی تاریخ وفات "خاک مصلےٰ" (۷۹۱ھ) سے نکلتی ہے۔

اس تمام تشریح کے بعد ناظرین پر بخوبی ثابت ہو جائیگا کہ یہ قطعات حضرت امیر خسرو دہلوی کی تصنیفات سے نہیں ہیں"۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ایک طرف تو ایک ایک نسخہ کے متعدد نام ہیں۔ دوسری طرف غیروں کی تصنیفات کسی نہ کسی طرح حضرت امیر خسرو سے منسوب ہو گئیں۔ ایسی حالت میں تعین تعداد تصانیف خسروی میں اختلاف کا ہونا لازمی تھا۔ مگر میری توجہ شروع سے اس طرف مائل رہی ہے کہ کوئی ایسی کتاب جو بلحاظ شہرت امیر خسرو سے منسوب

ہو (مگر حقیقت میں اُن کا کلام نہ ہو) وہ جزو کلیات نہو- اور اس وجہ سے یہ اہتمام کیا گیا ہی کہ نقل ہونے سے پہلے ہر ایک نسخہ کی نسبت اطمینان کر لیا جاتا ہی کہ وہ حضرت امیر خسرو کی تصنیف ہی اور اس غرض سے یہ نسخے اول ایسے قابل اعماد حضرات کو ملاحظہ کرا دیئے جاتے ہیں جو فارسی شاعری کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، جنکی مختلف طبقوں کے شعراء کے کلام پر نظر ہی اور جو فارسی علم ادب کی تاریخ سے واقف ہیں-

حضرت امیر خسرو کی تصنیفات کی تلاش میں یورپین مستشرقین کے مختلف تذکروں کا مطالعہ کیا گیا ہی- بہت سے اُن تذکروں کی فہرست جن کا حوالہ اوّل الذکر کتابوں میں درج ہی یا خود فارسی تذکروں میں ملتا ہی اس مقام پر درج کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا، وہو ہذا:- خزانۂ عامرہ- نفحات الانس- تذکرۂ خوشگو- شمع انجمن- تذکرہ فلاح- تاریخ فرشتہ- تذکرۂ عرفات اوحدی- تذکرۂ شعراء دولت شاہ سمرقندی- مجمع النفائس تذکرۂ مخزن الغرائب- ریاض الشعراء- بہارستان سخن- تذکرۂ والہ داغستانی- مآثر الامرا- جواہر الاسرار- ہفت اقلیم- بت خانہ- آتشکدہ- خلاصۃ الکلام مجالس النفائس خلاصۃ الاشعار- ہمیشہ بہار- تذکرۂ ندرت- خلاصۃ الافکار- تاریخ بداؤنی- تذکرہ طبقات الشعراء قدرت اللہ قدرت-

ان میں سے بعض تذکرے میں نے فراہم کیے مگر اکثر باوجود کوشش بلیغ اس وقت تک ہندوستان میں دستیاب نہیں ہو سکے مگر ان تذکروں میں سے کسی میں سوائے

اُن کتابوں کے ناموں کے جن کی تعداد ۵۴ سے متجاوز نہیں ہے اور کسی تصنیف کے نام کا پتہ نہیں چلتا۔

اسی تحقیقات کے سلسلہ میں مجھے ایک دوست نے اطلاع دی تھی کہ بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت امیر خسرو نے شیخ سعدی کی گلستان کا ترجمہ عربی زبان میں کیا تھا، مگر مجھے کسی تذکرہ سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی۔

سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ حضرت امیر کے ہندی کلام کا بالکل سراغ نہیں چلتا۔ میں نے سکرٹری صاحب ناگری پرچارنی سبھا بنارس کو بھی خط لکھا تھا کہ اگر آپ کے سلسلہ تحقیقات میں خسرو کا کوئی ہندی کلام ملا ہو تو مطلع کیا جائے۔ مگر جواب حسب مراد نہیں ملا۔ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے بمقام دہلی مجھے اطلاع دی تھی کہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں ہندی کا بہت سا کلام پہیلیوں اور کہہ مکرنیوں کی صورت میں موجود ہے۔ میں اسی شوق میں اس سوسائٹی سے عرصہ تک مراسلت کرتا رہا۔ اور بالآخر آنریبل جسٹس سر آسوتوش مکرجی اور ڈاکٹر المامون صاحب سہروردی کی توجہ اور ان دونوں بزرگوں کی تحریک و تائید سے ایشیاٹک سوسائٹی کی ممبری کی عزت بھی مجھے حاصل ہوگئی۔ مگر باوجود پیہم استفسارات کے کسی ہندی کلام کا پتہ اس وقت تک وہاں نہیں چلا۔ ڈاکٹر المامون سہروردی صاحب نے جو ایشیاٹک سوسائٹی کے پہلے ہندوستانی فلالوجکل سکرٹری ہیں از راہ عنایت میری استدعا پر اُن تمام مولوی صاحبان کو خاص ہدایت بھی کردی ہے جو سوسائٹی کے زیر ہدایت ملک میں دَو

کرنے پر مامور ہیں۔ اور مختلف لائبریریوں کا معائنہ کرتے رہتے ہیں کہ جہاں کہیں حضرت امیر کے کلام کا پتہ لگے فوراً مجھے اطلاع دیدیں۔ نیز عمال سوسائٹی کو یہ ہدایت بھی کردی کہ سوسائٹی کے جس قدر نسخے تصنیف امیر خسرو کے مستعار باہر گئے ہوں وہ سب واپس طلب کر لیے جائیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی عنایت سے سوسائٹی کے چیف لیسرتج مولوی حافظ نذیر احمد صاحب نے مجھے بہت سی مفید اطلاعیں بھی بھیجیں۔ مگر ہندی کلام کی تلاش میں ہنوز کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ نے مجھے اطلاع دی تھی کہ ہندی کی بہت سی پہیلیاں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ صاحبزادہ میر رستم علی صاحب کے پاس تھیں اور اب وہ نسخہ صاحبزادہ میر شرف الدین صاحب کے پاس ہے جو اُن کے قرابت دار ہیں اور درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ میں قیام فرما ہیں میں نے مولٰنا حسن نظامی صاحب سے استدعا کی کہ وہ اس نسخہ کی تلاش میں مجھے مدد دیں۔ نیز مولٰنا عبدالواحد صاحب احدی ایڈیٹر رسالہ نظام المشایخ دہلی کی خدمت میں تصدیعہ دیا کہ وہ مقامی قوالوں سے حضرت امیر کا ہندی کلام جمع کرنے کا اہتمام فرماسکیں تو میں اس کوشش کے تمام مصارف ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس کے بعد اسی تلاش و جستجو میں خود بھی دوبار دہلی پہنچا اور حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ میں حاضر ہوا۔ نیز تمام اسلامی اخبارات میں کئی بار اعلانات شایع کیے۔ لیکن یہ سب کوشش اس وقت تک ناکام ثابت ہوئی ہے تذکرہ آبحیات میں مولانا محمد حسین صاحب آزاد مرحوم نے کچھ نمونہ امیر خسرو کے ہندی کلام کا نقل کیا ہے مگر اس تذکرہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ

اُس کلام کا ماخذ کیا ہے۔ مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی رئیس بھیکم پور نے (جن کی ہمہ دانی اور علمی قابلیت مسلمہ ہے اور جن کی امداد اس کام میں شروع ہی سے میری کمزور سعی کے شامل حال رہی ہے) بجواب میرے استفسار کے اطلاع دی تھی کہ مولٰنا محمد حسین صاحب آزاد مرحوم نے نظم اُردو کی ایک تاریخ لکھی ہے اور اُس میں حضرت امیر کے ہندی کلام کے حوالے درج ہیں۔ میں نے اس تاریخ کا پتہ چلانا چاہا مگر اُس کا کوئی حال دریافت نہ ہو سکا۔

(۵) تلاش تصنیفات

باقبال زندہ قوموں کی علامات زندگی میں سے ایک یہ علامت بھی ہوتی ہے کہ وہ علم کی توسیع و اشاعت اور قوم کی اخلاقی و ذہنی ترقی مدنظر رکھکر اپنے موجود الوقت علما اور مصنفین کی قدرشناسی اور حوصلہ افزائی کے سلسلہ میں اپنی قوم نیز دوسری قوموں کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس پیشتر کے گذرے ہوئے شعرا اور مصنفین کے حالات زندگی معلوم کرنے اور اُن کی تصانیف کا پتہ لگانے اور شایع کرنے اور اُن کی عالمگیر شہرت جس کے وہ ہر طرح مستحق ہیں۔ قایم کرنے اور قایم رکھنے میں غیر معمولی جد و جہد سے کام لیتے ہیں۔ مغربی قومیں (خواہ انگریز ہوں یا فرانسیس یا جرمن) ہرگز ہرگز اپنی قوم کے مشہور مصنفین کے کلام کو ضایع نہیں ہونے دیتیں۔ طویل یا مختصر جو کچھ ہاتھ لگتا ہے سب کو چھاپ کر زندہ رکھتی ہیں یہاں تک کہ چار لفظوں کا ایک رقعہ بھی ملجاوے

تو اُسے بھی بچاتے ہیں اور ٹائپ کے ذریعہ سے محفوظ کر دیتے ہیں۔ یورپ کے ممالک میں
زمانہ ماضی کے مشاہیر اہل تصنیف کی سوانح عمری معلوم کرنے اور اُن کا کلام جمع کرنے
کا شوق اب اس درجہ تک بڑھ گیا ہے کہ انگلستان کے مشہور شاعر شیکسپیر کی سوانح
عمری لکھنے والے ایک فاضل انگریز نے لکھا ہے کہ "اس زمانہ میں ہم اُس عہد کا تصور باندھنے
سے بھی قاصر ہیں جب کہ مصنفین کی سوانح عمریوں سے اہل ملک کو کوئی دلچسپی نہوا
کرتی تھی اور جب کہ باوجود اپنے کلام کے مقبول عام ہونے کے شاعر کی خاطر خواہ قدر
ومنزلت نہ کی جاتی تھی"۔ یونان کے شہرۂ آفاق شاعر ہومر کو دنیا سے رخصت ہوئے
ہزاروں برس گزر گئے مگر یورپ میں اُس کے کلام کی تازہ شرحیں آج بھی شوق کے
ساتھ لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔ جن شہروں اور مقامات کا اُس کے کلام میں ذکر آگیا ہے
علمی حلقوں میں اُن کے کھنڈرات اور محل وقوع کی بابت محققانہ بحث ومباحثہ کا سلسلہ
اب تک جاری ہے۔ بعض انگریزی شعرا نے سینکڑوں برس پیشتر اپنے کلام میں اگر کسی جھیل
یا تالاب یا پہاڑی یا ندی کا ذکر کر دیا ہے تو اُن مقامات کو سوانح نویسوں کی بدولت آج
تقدس کا وہ درجہ نصیب ہو گیا ہے کہ وہ مقامات آج زیارت گاہ عام وخاص بنے ہوئے
ہیں۔ اُن شعرا کے سکونتی مکانوں کی جگہہ معین کرنے میں بڑی بڑی محققانہ تلاش
وجستجو کی گئی ہے۔ اُن کے دستخطی خطوط یا مسودات اگر اتفاق سے کہیں ملجاتے ہیں تو ہزاروں
روپیہ کی قیمت دیکر اُن کو حاصل کرنے کی کوشش کیجاتی ہے اور ملک میں اُن کی تحریروں
کے فوٹو شایع کیے جاتے ہیں۔ پرانے مصنفین کا کلام نہ صرف تمام وکمال جمع کر لیا

جاتا ہے بلکہ اُن کی ہر ہر تالیف و تصنیف کی تحریر کا وقت اور زمانہ متشخص کیا جاتا ہے۔ تصانیف کی تقدیم و تاخیر اور اُن کے مضامین کی بنا پر شعراء و مصنفین کے ہزار ہا صفحوں کی طول طویل سوانح عمریاں مرتب ہو جاتی ہیں اور اُن کی عادت و خصائل پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔ شاہ ہمایوں کی ہمشیرہ گل بدن بیگم کی لکھی ہوئی تاریخ "ہمایوں نامہ" کے چند اوراق قلمی انگلستان کے برٹش میوزیم کی لائبریری میں موجود تھے۔ اس قلمی نسخہ کی تکمیل کی غرض سے ایک خاص ماہر فن مسٹر بیوریج ہندوستان بھیجے گئے اور وہ تمام ہندوستان کی لائبریریوں میں مکمل نسخہ کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ میرے زمانہ مستقل قیام رامپور میں یہ صاحب میرے بھی مہمان رہے تھے اور اس کتاب کی بابت مجھ سے اور اُن سے بہت کچھ گفتگو ہوئی تھی۔ بالآخر یہ صاحب اپنے نسخہ کو مکمل کر کے انگلستان واپس گئے۔ زندہ قوموں کی اس کارروائی سے ملک میں مفید تصنیف و تالیف کی جو ترغیب و تشویق ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہیں مگر ہم ہندوستانیوں نے اب تک اپنے بڑے بڑے شعراء و علماء کے مقبول عام کلام میں سے کسی ایک کا بھی پورا کلام جمع اور طبع نہیں کیا۔ یہاں تک کہ امیر خسرو جیسے کثیر التصنیف مصنف کے اُردو، ہندی اور فارسی کلام کا بڑا حصہ تلف ہو گیا۔ منجملہ اور علامات کے یہ بھی ایک علامت ہم مسلمانوں کی تیرہ بختی کی ہے۔ ہندوستان میں زبان اُردو کا تحفظ اور اس زبان کی ترقی مسلمانوں کی قومیت کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ اور زبان اُردو کی حفاظت اور ترقی کا دارومدار اس پر ہے کہ قدماء کا فارسی اور عربی کلام

محفوظ کیا جائے۔ جو لوگ یورپین علوم و فنون کی اُردو زبان کے ذریعہ سے تعلیم ہونے کے حامی ہیں اور وہ بالکل حق بجانب ہیں، اُن کا پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ فارسی لٹریچر کی حفاظت کا کام پوری سرگرمی سے فوراً شروع کردیں۔ کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ حضرت امیر خسرو کے کلام کی تلاش سب سے زیادہ مشکل کام ثابت ہوا۔ اور کام شروع کرنے کی غرض سے ہندوستان کے اس سب سے بڑے مسلمان شاعر و مصنف کے کلام کی تلاش میں سب سے پہلے یوروپین لائبریریوں کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش آئی اور تصنیفات خسروی کی پہلی فہرست لندن کی انڈیا آفس لائبریری کے قلمی فارسی نسخوں کے کٹلاگ سے مرتب ہوسکی۔

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

یہ کٹلاگ (فہرست) انڈیا آفس لائبریری میں ۱۹۰۳ء میں مرتب ہوا تھا اس کے مطابق اس لائبریری میں مندرجہ ذیل ۳۸ قلمی نسخے منجملہ تصانیف حضرت امیر خسرو کے موجود ہیں:۔

دواوین (۱) تحفۃ الصغر (۲) وسط الحیوٰۃ (۳) دیباچہ غرۃ الکمال (۴) دیوان غرۃ الکمال یا کتاب الکمال (۵) بقیہ نقیہ۔

خمسہ (۶) مطلع الانوار (۷) خسرو شیریں (۸) مجنوں لیلیٰ (۹) ہشت بہشت (۱۰) آئینہ سکندری۔

مثنویات (۱۱) قرآن السعدین (۱۲) خضر خانی یا عشقیہ (۱۳) نہ سپہر (۱۴) مفتاح الفتوح یا فتح الفتوح یا فتح نامہ (۱۵) مجموعہ مثنویات۔

متفرق (۱۶) مجموعہ رباعیات (۱۷) مجموعہ غزلیات (۱۸) قصیدہ امیر خسرو متضمن حقیقت شاہ نامہ فردوسی۔

کلام نثر (۱۹) رسائل اعجاز یا اعجاز خسروی (۲۰) انشا خسرو جس میں صوفیانہ رنگ کے رقعات ہیں اور گویا رسائل اعجاز کا تتمہ ہے (۲۱) احوال امیر خسرو۔

باقی ۷ قلمی نسخے مندرجہ بالا نسخوں کے مکررات ہیں۔ مثلاً کلیات کے نام سے ۳ نسخے ہیں جو بالترتیب سنہ ۸۶۶ سنہ ۹۳۳ اور سنہ ۱۰۰۰ ہجری کے لکھے ہوئے ہیں۔ قران السعدین کے سات نسخے درج ہیں، خمسے کے پانچ نسخے، مطلع الانوار اور ہشت بہشت کے دو دو نسخے ہیں۔

یہ سب سے بڑی فہرست ہے جو کسی ایک جگہ امیر خسرو کے کلام کی مل سکی اور اس وقت تک تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انڈیا آفس لائبریری کی بہ نسبت تعداد میں زیادہ اور کسی ایک لائبریری میں امیر خسرو کا کلام جمع نہیں ہے۔ ہندوستان کی مشہور لائبریریوں میں سے شاہان اودھ کے کتب خانوں کی جو فہرست سنہ ۱۸۵۴ء میں ڈاکٹر اسپرنگر نے مرتب کی تھی اس کے مطابق ان کتب خانوں میں بھی کوئی ایسی تصنیف نہیں تھی جو اوپر کی فہرست میں شامل نہو۔ بانکی پور کی لائبریری میں مذکورہ بالا فہرست سے صرف ایک دیوان

یعنی (۲۲) دیوان نہایت الکمال؛ زیادہ ہے جس کو اس کتب خانہ کی فہرست مرتبہ ڈاکٹر ڈینیزن راس (۱۹۰۸ء) میں امیر خسرو کا پانچواں دیوان ظاہر کیا گیا ہے، اور جس کا ایک قلمی نسخہ حبیب گنج ضلع علی گڑھ کی لائبریری میں بھی موجود ہے۔ نیز ایک قلمی نسخہ لندن برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں بھی ہے اور حال میں یہ دیوان دہلی میں چھپکر شایع ہوا ہے۔ لندن برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں بھی انڈیا آفس کے کتب خانہ سے زائد اور کوئی نسخہ نہیں ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کے چیف ریسرچ مولوی حافظ نذیر احمد صاحب نے براہ مہربانی مجھے باڈلین لائبریری، کتب خانہ برلن، کتب خانہ خدیو مصر، کتب خانہ ٹیپو سلطان، کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، کیمبرج یونیورسٹی لائبریری، کتب خانہ حاجی حبیب اللہ صاحب واقع نیلور، کتب خانہ شمس العلما قاضی عبد اللہ صاحب واقع مدراس کی فہرست تصانیف امیر خسرو مجھے عنایت کی۔ مگر ان میں سے کسی کتب خانہ میں کسی نئی تصنیف کا وجود نہیں پایا گیا۔ حبیب گنج ضلع علی گڑھ میں مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی رئیس بھیکم پور کی لائبریری ہے جس میں بعض نادر الوجود قلمی نسخے ہیں۔ مگر یہاں بھی کسی نئے نسخے کا پتہ نہیں چلا۔ ریاست رام پور کے کتب خانہ میں میں خود حاضر ہوا۔ اس میں (۲۳) خزائن الفتوح کا ایک ایسا نسخہ برآمد ہوا جو مذکورہ بالا کتب خانوں میں موجود نہیں ہے۔ ریاست حیدر آباد کے کتب خانہ آصفیہ میں حضرت امیر خسرو کی تصانیف میں سے دو نئے نسخے (۲۴) نصاب بدیع العجائب و نصاب مثلث و (۲۵) افضل الفوائد دستیاب ہوئے۔ ان (۲۵) نسخوں کے علاوہ (۲۶) خالق باری مشہور کتاب ہے جس کی

نسبت کہا جاتا ہے کہ پہلے یہ ایک ضخیم کتاب کئی جلدوں میں تھی۔ اب جو کتاب بچوں کو اوائل عمر میں پڑھائی جاتی ہے وہ اس کا مختصر اقتباس ہے (۲۷) قصہ چہار درویش فارسی جس کا اُردو ترجمہ باغ و بہار حضرت امیر خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے۔

مندرجۂ ذیل تصانیف کے نام مختلف تذکروں اور اثنائے تحقیقات میں براہ راست یا اُن بیشمار خطوط کے جواب میں جو اطراف ملک میں تصانیف کا پتہ لگانے کی غرض سے بھیجے گئے تھے علم دوست حضرات کے مراسلوں سے معلوم ہوئے۔

(۲۸) باز نامہ (۲۹) اسپ نامہ یا فرسنامہ (۳۰) بحر العبر (۳۱) مراۃ الصفا (۳۲) شہر آشوب یا مجموعہ رباعیات بر طبق حالات اہل حرفہ (۳۳) تغلق نامہ (۳۴) تاج الفتوح (۳۵) تاریخ دہلی (۳۶) مناقب ہند (۳۷) حالات کنہیا و کرشن (۳۸) مکتوبات امیر خسرو (۳۹) جواہر البحر (۴۰) مقالہ (حالات خلفائے اربعہ) (۴۱) رحمت المحبین (۴۲) رسالہ ابیات بحث (خسرو و حاجی) (۴۳) شگرف بیان (۴۴) ترانۂ ہندی (۴۵) مناجات خسرو۔

منجملہ نسخہ جات مذکورۂ بالا کے باز نامہ، اسپ نامہ، بحر العبر، مراۃ الصفا خاص خاص قصائد اور مثنویوں کے نام ہیں جو حضرت امیر کے دیوانوں کا جزو ہیں۔ اور یہ چاروں ریاست رام پور کے کتب خانہ میں دستیاب ہوئے۔ شہر آشوب کی نقل لکھنؤ سے بہ توجہ شیخ بشیر الدین صاحب رئیس میرٹھ حاصل ہوگئی۔ تغلق نامہ کی بابت صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ اس کا ایک قلمی نسخہ میر مہدی حسن صاحب مجروح دہلوی کے پاس تھا۔

باقی اور نسخوں کی بابت اب تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ تصانیف اس ملک میں کہاں موجود ہیں اور انکی اصل یا نقل کیونکر دستیاب ہو سکتی ہے۔

مجھکو احباب کی زبانی یا اثناء مراسلت میں اگر ذرا بھی معلوم ہوا کہ فلاں صاحب سے کچھ نہ کچھ سراغ تصنیفات حضرت امیر خسرو کا ملیگا تو میں نے اُن حضرات سے پیہم مراسلت کرنے اور یاد دہانیاں بھیجنے میں کبھی تساہل نہیں کیا۔ اس کے علاوہ دہلی، لکھنؤ، میرٹھ، آگرہ، کلکتہ، پٹنہ، بانکی پور، کوئٹہ، پشاور، کشمیر، بمبئی اور مدراس کے ممتاز مسلمانوں کی خدمت میں نیز ریاست بھوپال، ٹونک، لوہارو اور پٹودی کے معززین کی خدمت میں بطور خود بہت سے خطوط بھیجے۔ اور اسلامی اخبارات میں متواتر مضامین شایع کر کے علم دوست حضرات کو اس کام کی طرف متوجہ کرتا رہا۔ اور آخر کار ممالک مطابع و متعلقین کتب خانہ جات کی توجہ تلاش کی طرف مائل کرنے کی غرض سے ایک انعامی اعلان بھی تمام اخبارات میں شایع کرایا اور اس اعلان کی کاپیاں فرداً فرداً بہت سے مطابع اور کتب خانوں کو بھیجیں۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ جو صاحب کسی تصنیف کے نام اور صحیح پتہ سے اطلاع دینگے تو ہر تصنیف کی بابت مطلوبہ اطلاع کے عوض پانچ روپیہ انعام دیا جائیگا۔ اور بعد میں اس انعام کی مقدار بڑھا بھی دی تھی۔ مگر اس اعلان کے جواب میں بھی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ اس موقع پر یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے کرم فرما حافظ احمد علی صاحب "شوق" افسر کتب خانہ و سپرنٹنڈنٹ کارخانجات ذات خاص سرکار رام پور نے میری استدعا پر مختلف کتابوں سے

نقل کرا کے اور بعض جو زبانی لوگوں کو یاد تھیں جمع کر کے امیر خسرو کی پہیلیوں کا ایک مجموعہ مرحمت فرمایا ہے جو موجود ہے اور اپنے والد صاحب مرحوم کی بیاض سے ایک نظم موسوم بہ "گھڑیالِ خسرو" نقل کر کے عنایت فرمائی تھی جس میں انگلیوں کے ذریعے سے شناخت اوقات کا طریقہ نظم کیا گیا ہے اس کی نسبت موصوف نے تحریر فرمایا تھا کہ مجھے یہ تحقیق نہیں کہ یہ نظم حضرت امیر خسرو کی ہے یا نہیں۔ میں نے اس کو اخبار میں شایع کر کے دریافت کیا تھا کہ اس نظم کی بابت اگر کسی صاحب کو کچھ تفصیل معلوم ہو تو مطلع فرمائیں۔ مگر اس وقت تک کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔

(۶) فراہمی کتب

سب سے پہلے وہ کتابیں جو طبع ہو چکی ہیں قیمتاً خریدی گئیں۔ حضرت امیر خسرو کی تصنیفات میں سے سب سے زیادہ تعداد مطبع نولکشور نے چھاپ کر شایع کی ہے۔ اس مطبع سے کتب ذیل خریدی گئیں:۔

(۱) مطلع الانوار (۲) لیلیٰ مجنوں (۳) ہشت بہشت (۴) قران السعدین (۵) خالق باری (۶) کلیات خسرو (جس میں چار دیوانوں کی منتخب غزلیات ہیں) (۷) اعجاز خسروی۔

کتب خانہ نظامیہ دہلی واقع درگاہ حضرت محبوب الٰہی سے (۸) دیباچہ غرۃ الکمال (۹) دیوان نہایت الکمال اور (۱۰) آئینہ سکندری، تین نسخے خریدے گئے۔

علی گڑھ کے ایک تاجر کتب سے نسخہ (۱۱) نصاب بدیع العجائب و نصاب مثلث خرید ہوا۔

دہلی درگاہ حضرت محبوب الٰہی سے ایک نسخہ قلمی (۱۲) افضل الفوائد کا اور (۱۳) ایک مجموعہ قلمی غزلیات کا دستیاب ہوا۔

مدرستہ العلوم علی گڑھ کی لائبریری سے مندرجۂ ذیل قلمی نسخے مستعار لیے گئے :۔

(۱۴) خزائن الفتوح (۱۵) اعجاز خسروی (۱۶) مجموعۂ قصائد خسروی (۱۷) مثنوی نہ سپہر (۱۸) مثنوی عشیقہ (۱۹) مثنوی لیلیٰ مجنوں (۲۰) مثنوی ہشت بہشت (۲۱) مثنوی مطلع الانوار۔

سید آل عبا صاحب بارہروی نے دو نسخے قلمی مستعار عنایت فرمائے۔

(۲۲) خزائن الفتوح (۲۳) سکندر نامہ خسروی۔

ان کے علاوہ ذیل کے نسخے مختلف مقامات سے ہدیۃً یا مستعار حاصل ہوا ہے :۔

عطیہ نواب عماد الملک بہادر : خمسہ خسروی قلمی جس میں (۲۴) مطلع الانوار (۲۵) لیلیٰ مجنوں (۲۶) سکندر نامہ اور (۲۷) ہشت بہشت شامل ہیں۔ اس جلد میں مثنوی شیریں خسرو شامل نہیں ہے۔ نواب عماد الملک بہادر نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب یہ خمسہ ترتیب کلیات خسروی کے کام سے فارغ ہو جاوے تو جناب ممدوح کی طرف سے ہدیۃً مدرستہ العلوم علی گڑھ کی لائبریری کو دیدیا جاوے۔

عطیہ دیوان مبارک سنگھ صاحب کارندہ ریاست دولت پور ضلع بلند شہر: یہ قلمی نسخہ خمسہ کا منشی مبارک سنگھ صاحب نے ازراہ مہربانی ہدیتہً مجھے عنایت فرمایا۔ اس میں پانچوں مثنویاں شامل ہیں یعنی (۲۸) مطلع الانوار (۲۹) شیریں خسرو (۳۰) لیلےٰ مجنوں (۳۱) سکندرنامہ (۳۲) ہشت بہشت۔

مستعار از کتب خانۂ دیوبند: (۳۳) نسخہ نصاب مثلث و بدیع العجائب قلمی و (۳۴) قران السعدین مطبوعہ قدیم۔

مستعار از کتب خانہ مولٰنا شبلی مرحوم واقع اعظم گڑھ موسوم بہ دار المصنفین (۳۵) دیوان غرۃ الکمال قلمی۔

مستعار از کتب خانہ حبیب گنج: (۳۶) دیباچہ غرۃ الکمال۔ (۳۷) دیوان تحفۃ الصغر۔

مستعار از کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد: (۳۸) خزائن الفتوح (۳۹) مثنوی عشقیہ (۴۰) نصاب بدیع العجائب و نصاب مثلث (۴۱) مثنوی قران السعدین (یعنی مثنوی در تعریف دہلی) (۴۲) و (۴۳) افضل الفوائد دو نسخے ایک قلمی، دوسرا مطبوعہ) (۴۴) دیوان امیر خسرو (جس میں جملہ دواوین کی منتخب غزلیات درج ہیں اور آخر میں پانسو رباعیاں لکھی ہوئی ہیں)۔

مستعار از کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر: (۴۵ لغایت ۴۹) خمسہ خسروی و (۵۰) غرۃ الکمال۔

مستعار از کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال : (۴۶) دیوان بقیہ نقیہ قلمی۔

اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے (۵۱) نسخہ شہر آشوب (رباعیات متعلق اہل حرفہ) کی نقل لکھنؤ سے حاصل ہوئی۔ اور (۵۲) نظم گھڑیال خسرو اور (۵۳) پہیلیوں کا مجموعہ حافظ احمد علی خاں صاحب شوق افسر کتب خانہ ریاست رامپور نے عنایت فرمایا۔

مندرجہ بالا تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ علی گڑھ میں (جو ترتیب کلیاتِ خسروی کے کام کا مرکز ہے) حسب ذیل نسخے فراہم ہو گئے :-

(۱) مطلع الانوار (۲) لیلیٰ مجنوں (۳) ہشت بہشت (۴) سکندر نامہ۔ (۵) خسرو شیریں (۶) قران السعدین (۷) خزائن الفتوح (۸) نصاب بدیع العجائب و نصاب مثلث (۹) افضل الفوائد (۱۰) دیباچہ غرۃ الکمال (۱۱) دیوان غرۃ الکمال (۱۲) دیوان تحفۃ الصغر (۱۳) دیوان نہایت الکمال (۱۴) دیوان بقیہ نقیہ (۱۵) اعجاز خسروی (۱۶) نہ سپہر (۱۷) عشیقہ (۱۸) خالق باری (۱۹) شہر آشوب (۲۰) نظم گھڑیال (۲۱) پہیلیوں کا مجموعہ (۲۲) مجموعہ قصائد (۲۳) مجموعہ دواوین۔

ان کے علاوہ کتب خانہ ریاست رامپور سے مندرجہ ذیل کتابیں مستعار لی ہیں جن کی باجازت ہز ہائنس نواب صاحب بہادر دام اقبالہ زیر نگرانی حافظ احمد علی خاں صاحب افسر کتب خانہ ریاست رامپور میں نقلیں ہو رہی ہیں اور جو نسخے پہلے سے موجود ہیں اُن کا بغرض تصحیح صرف مقابلہ ہو رہا ہے۔

(۱) اعجاز خسروی (۲) کلیات خسرو مسمی بہ مجموعہ دواوین (۳) قران السعدین

(۴) مثنوی عشیقہ (۵) خمسہ خسرو مشتمل بر مطلع الانوار (۶) لیلی مجنوں (۷) خسرو

شیریں (۸) سکندر نامہ (۹) ہشت بہشت اور (۶) نصاب بدیع العجائب (۷)

خالق باری (۸) بوجھ پہیلی (۹) قصہ چہار درویش (۱۰) مجموعہ قصائد (جس میں ۶۰

قصائد ہیں) (۱۱) تحفۃ الصغر (۱۲) وسط الحیوۃ (۱۳) بقیہ نقیہ (۱۴)

غرۃ الکمال (۱۵) مجموعہ قصائد و غزلیات (جو ۱۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہیں) (۱۶) مجموعہ

دو دیوان قلمی یعنی تحفۃ الصغر و وسط الحیوۃ ان کے حاشیہ پر شیریں خسرو اور

قران السعدین لکھی ہوئی ہیں (۱۷) خزائن الفتوح (۱۸) رباعیات اہل حرفہ جس میں وہ

رباعیات حضرت امیر خسرو کی بھی شامل ہیں جو نسخہ شہر آشوب میں درج ہیں۔

انگلستان کی انڈیا آفس لائبریری میں جو کتابیں موجود ہیں ان کی فہرست اوپر

درج ہو چکی ہے۔

لندن کی برٹش میوزم میں حسب ذیل نسخے موجود ہیں اجیسا کہ کٹلاگ مرتبہ

چارلس ریو مطبوعہ ۱۸۸۳ء میں درج ہے: (۱) کلیات خسرو (۲) دیوان خسرو (۳)

خمسہ خسرو (۴) تحفۃ الصغر (۵) وسط الحیوۃ (۶) غرۃ الکمال (۷) بقیہ نقیہ

(۸) نہایت الکمال (۹) قران السعدین (۱۰) مفتاح الفتوح (۱۱) خزائن الفتوح

(۱۲) مثنوی عشیقہ (۱۳) نہ سپہر (۱۴) رسائل اعجاز (۱۵) مجموعہ غزلیات۔

کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں ۳ نسخے موجود ہیں: (۱) لیلےٰ مجنوں (۲) آئینہ سکندری (۳) قران السعدین۔

کتب خانہ خدیو مصر میں دو مجموعہ دیوان اور ایک جلد خمسہ موجود ہیں۔

باڈلین لائبریری میں ذیل کے نسخے موجود ہیں: (۱) وسط الحیوۃ (۲) غرۃ الکمال (۳) بقیہ نقیہ (۴) خمسہ (۵) قران السعدین (۶) نہ سپہر (۷) خضر خانی یا عشیقہ۔

کتب خانہ برلن میں موجود ہیں: (۱) خمسہ (۲) دیوان خسرو (۳) ہشت بہشت (۴) قران السعدین (۵) آئینہ سکندری (۶) مطلع الانوار (۷) شیریں خسرو۔

ہندوستان کی لائبریریوں میں سے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی لائبریری میں نسخہ جات ذیل موجود ہیں: (۱) خالق باری (۲) اعجاز خسروی (۳) خمسۂ خسروی (۴) قران السعدین (۵) مطلع الانوار (۶) بقیہ نقیہ (۷) عشیقہ۔

بانکی پور لائبریری میں موجود ہیں: (۱) تحفۃ الصغر (۲) غرۃ الکمال (۳) نہایت الکمال (۴) قران السعدین (۵) عشیقہ (۶) مطلع الانوار (۷) خمسہ خسروی (۸) دیوان خسرو، جس کے آخر میں ۴۷ قصائد ہیں۔

کتب خانہ ٹیپو سلطان میں ہیں: (۱) خمسہ خسرو (۲) نہ سپہر (۳) قران السعدین (۴) عشیقہ (۵) مطلع الانوار (۶) دیوان خسرو۔

کتب خانہ ندوۃ العلماء میں: اعجاز خسروی کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو نواب

ضیاءالدین خاں نیر رخشاں دہلوی مرحوم کے کتب خانہ میں تھا۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ کی لائبریری میں ذیل کے نسخے موجود ہیں: (۱) تحفۃ الصغر (۲) دیباچہ غرۃ الکمال (۳) دیوان نہایت الکمال (۴) دیوان قصائد (۵) مجموعہ غزلیات دواوین (۶) خمسہ خسروی (۷) نہ سپہر (۸) عشیقہ (۹) قران السعدین

(۷) انتظام نقل

علی گڑھ میں جس قدر نسخے بہم پہنچ سکے اُن میں سے سب کی ایک ایک نقل اس غرض سے کرائی گئی ہو کہ اس ایک نقل کا مختلف مقامی اور غیر مقامی نسخوں سے مقابلہ ہو کر اُس کی صحت ہو سکے۔ اس کام کے لیے دو خوشنویس (جو میرے دفتر کی نگرانی میں پورا وقت نقل کے کام پر صرف کرتے رہے) مقرر کیے گئے تھے۔ معاوضہ مشاہرہ کی صورت میں بھی دیا گیا اور فی جزو مقررہ شرح اُجرت بھی ادا کی گئی۔ دونوں صورتوں میں معاوضہ کی شرح کم سے کم ایک روپیہ اور زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ روپیہ فی جزو ہوتی ہو۔

جو کتابیں کتب خانہ رام پور سے مستعار عنایت ہوئیں اُنکی نقل کا انتظام رام پور ہی میں کرنا پڑا۔ ایک فارسی داں خوشنویس میرٹھ سے رامپور بھیجے گئے اور تین مقامی خوشنویسوں کو کتابت کے لیے مامور کیا گیا۔ یہ تینوں حضرات اُن نسخوں کی نقلیں کرتے

ہیں جو علی گڑھ نہیں پہنچ سکے۔ نیز چونکہ مجموعہ قصائد و مجموعہ غزلیات و رباعیات
کا رام پور کی کتابوں میں وافر ذخیرہ ہے، لہذا مناسب سمجھا گیا کہ ایک بار ان سب
کی نقل حاصل کر لیجاوے تاکہ صدر مقام میں مشترک حصہ حذف ہو کر غیر مشترک منتخب
ہو سکیں۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد قصد ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہندوستان کے
دوسرے کتب خانوں میں اپنے کاتب بھیجکر اُن نسخوں کی نقلیں حاصل کر لی جائیں جنکی
پیشتر نقل حاصل نہو چکی ہو۔

ستمبر ۱۹۱۵ء میں میں نے اس صوبہ کی لوکل گورنمنٹ کو مراسلہ بھیجکر عرض کیا
ہے کہ ہم کو کلیات امیر خسرو رح کی نہایت صحت کے ساتھ ترتیب و اشاعت مقصود ہے۔ ہندوستان
میں جو نسخے ملتے ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف پائے جاتے ہیں۔ لہذا بنظر
صحت یہ استدعا ہے کہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ سے یا تو مندرجہ ذیل کتب یا ان کی چند روزہ
مستعار منگادی جائیں، ورنہ فوٹوگرافی نقلیں ان کی بہم پہنچادی جائیں:۔

(۱) دیوان امیر خسرو (۲) کلیات امیر خسرو (۳) غزلیات امیر خسرو (۴)
مفتاح الفتوح۔ میں نے گورنمنٹ سے یہ بھی استدعا کی ہے کہ ڈاکٹر اسپرنگر کی وہ فہرست
بھی کسی طرح بہم پہنچائی جاوے جس میں تصانیف خسروی کے ۹۹ نسخوں کی تفصیل
درج ہے۔ اگر گورنمنٹ کی توجہ سے یہ نقول اور فہرست میسر ہوگئیں تو نسخوں کی تصحیح
اور باقی کتابوں کی تلاش میں بہت سہولت ہو جائیگی۔

یورپ کی لائبریریوں میں سے کسی میں اب تک کسی ایسے نسخہ کا پتہ نہیں چلا

جس کا ما بعد تحقیقات سے ہندوستان کی کسی نہ کسی لائبریری میں سراغ نہ لگایا گیا ہو لیکن اگر آیندہ کسی نئی تصنیف کا پتہ چلا تو فوٹو کے ذریعے سے اُن کی نقل حاصل کی جائیگی جس کا معاوضہ بہت گراں نہیں ہوتا۔

(۸) انتظام مقابلہ تصحیح و تنقید

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم کام مقابلہ خصوصاً تصحیح کا کام ہے۔ فارسی کا مذاق ملک سے مفقود ہو چکا ہے جو اہل کمال اس علم کے ماہر تھے وہ رفتہ رفتہ سب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ چونکہ حالات موجودہ کے ماتحت علم فارسی کی ملک میں ضرورت اور مانگ نہیں رہی اس لیے علوم فارسی کی طرف سے اہل ملک کی توجہ ہٹ گئی۔ خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز لکھنوی مرحوم سے (جو اس دور آخر کے مستند فارسی اساتذہ میں سے تھے) میں نے اُن کے زمانہ حیات میں استدعا کی تھی کہ تصحیح کے کام میں کچھ امداد فرمائیں۔ مگر جناب مرحوم نے ضعف و علالت کا عذر فرما کر لکھا تھا کہ اگر کوئی نسخہ میرے پاس بھیجدیا جائیگا تو میں اُس کی صحت کی حتی الوسع کوشش کرونگا۔ مگر قبل اس کے کہ جناب موصوف کے اس وعدہ سے استفادہ ہو سکے اُنھوں نے رحلت فرمائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مولٰنا حالی مرحوم سے بھی میں نے یہی تحریک کی تھی مگر وہ بھی طویل علالت کے بعد راہی جنت ہوئے۔ مولٰنا شبلی مرحوم سے تصحیح کے کام میں مدد ملنے کی بہت زیادہ اُمید تھی۔ مگر اجل نے اُن کو بھی مہلت نہ دی

جو لوگ باقی ہیں وہ بھی پا بر کاب ہیں اور پیرانہ سالی سے معذور چنانچہ مولوی
عبدالغنی صاحب "غنی" جو اس وقت خاص علی گڑھ میں قیام پذیر ہیں اور فارسی لٹریچر
کے ماہر کامل ہیں مگر ضعف و علالت کی وجہ سے اب ہر دماغی کام سے معذور ہیں۔
باین ہمہ اسباب مخالف میں نے کافی غور و فکر اور تلاش کے بعد مقابلہ و تقصیح تصحیح
کا کام ایسے حضرات کے سپرد کیا ہے جو میرے علم و یقین میں اس کام کی پوری اہلیت
رکھتے ہیں۔ ان سب میں مقدم مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی رئیس
بھیکن پور ہیں جنکی نادر لائبریری کا ذکر گزر چکا ہے۔ آپ علوم دین کے علاوہ عربی
اور فارسی کے نہایت بلند پایہ محقق، نقاد، اور فاضل ادیب ہیں۔ آپ کی تاریخی
معلومات غیر معمولی مطالعہ بہت وسیع اور رائے نہایت صائب ہے۔ اگر کار و بار ریاست
حائل مشاغل علمیہ نہ ہوتے اور آپ اپنے کمال علمی کی پردہ داری پر اسقدر مصر نہ ہوتے
تو یقیناً آپ کا شمار بجائے رؤسائے ضلع علی گڑھ کے طبقہ مشاہیر علما و فضلا میں ہوتا۔
میری استدعا پر آپ نے نہایت مہربانی سے بعض نسخوں کی تصحیح و تنقید کا کام
اپنے ذمہ لیا ہے۔

دوسرے مولوی رشید احمد صاحب "سالم" مولوی فاضل مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے پروفیسر
فارسی ہیں۔ آپ اعلیٰ فارسی قابلیت کے ساتھ عربی کے بہت اچھے ادیب ہیں۔ فارسی شاعری کا ذوق صحیح رکھتے
ہیں فارسی علم ادب کی تاریخ اور اس کی درجہ بدرجہ تبدیلیوں سے بخوبی واقف ہیں۔
اور مختلف طبقوں کے شعرا کے کلام پر آپ کی نظر ہے۔ علی گڑھ کالج کے ایم اے کے

وہ طلبہ جو فارسی زبان اختیار کرتے ہیں مولوی صاحب کے فیض تعلیم سے خاطر خواہ مستفیض ہوتے ہیں۔

تیسرے مولوی محمد اسلم صاحب جیراجپوری ہیں جو اپنی تصانیف کی وجہ سے غالباً کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ بھی مدرستہ العلوم علی گڑھ کے زمرہ اساتذہ میں سے ہیں۔ فارسی کے بہت بلند پایہ عالم ہیں اور آپ کا مطالعہ نہایت وسیع ہے۔

چوتھے خان صاحب مولوی محمد اسماعیل صاحب رئیس میرٹھ وپنشنر ہیڈ مولوی ہیں جن کی مقبول عام تصانیف سرکاری مدارس کے نصاب میں داخل ہیں آپ علم فارسی کے ماہر ہونے کے علاوہ فن تعلیم میں بھی غیر معمولی دستگاہ رکھتے ہیں آپکا اُردو کلام نظم و نثر قبول عام کا رتبہ حاصل کیے ہوئے ہے۔ آپ اس دور کی زندہ یادگار ہیں۔ اپنے معاصرین میں مذاق فارسی کے لحاظ سے ہمیشہ ممتاز سمجھے گئے ہیں۔ آپ کی ذکی و فہیم طبیعت میں نکتہ سنجی اور تنقید کا ملکہ بڑھا ہوا ہے۔

پانچویں مولوی احمد حسن صاحب "شوکت" میرٹھی ہیں جو مجدد السنۂ مشرقیہ کے لقب سے مشہور ہیں اور جن کی فارسی زبان میں مہارت شہرت عام حاصل کر چکی ہے اور جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

چھٹے مولوی ابوالحسن صاحب "جوہر" ساکن میرٹھ ہیں جو فارسی کے بہت قابل اساتذہ میں سے ہیں۔ اور مدت العمر آپ کا شغل کتب فارسی کی درس

تدریس رہا ہے۔ بمبئی میں عرصہ تک ایرانیوں کی صحبت میں رہنے کا آپ کو اتفاق ہوا ہے اور بمبئی کے ایک مشہور کتب خانہ کی فارسی کتابوں کی صحت کا کام بھی آپ نے انجام دیا ہے۔

ساتویں مولوی سعید احمد صاحب ہیں جو عربی فارسی کے عالم ہیں۔ جو فارسی کتابیں سرکاری نصاب تعلیم میں داخل ہیں اُن کی شرحیں اور مشکل مقامات کے حل مولوی صاحب کے تالیف کیے ہوئے طلبا میں مقبول ہیں۔ اس سلسلہ میں فارسی شعرا اور مصنفین کے کلام پر غور کرنے کا آپ کو بہت موقعہ ملتا رہا ہے۔

ان حضرات کے علاوہ خوش قسمتی سے ہمارے مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے پروفیسر دینیات جناب مولنا سید سلیمان اشرف صاحب نے بھی میری استدعا پر کچھ وقت تصنیفات خسروی میں سے بعض نسخوں کی تصحیح و تنقید پر صرف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ آپ کا مذاق فارسی اور علم و فضل میری تعریف سے بالاتر ہے۔ نیز میرے مخلص دوست مولوی شیخ بشیر الدین صاحب رئیس میرٹھ (جو علوم فارسی سے بہت اچھی طرح واقف ہیں) نہ صرف اپنی لائبریری سے نقل و مقابلہ کے لیے مختلف نسخے مستعار دیتے رہے ہیں، بلکہ مقابلہ و تصحیح کے کام میں بھی اپنا بہت سا وقت عزیز صرف فرماتے رہے ہیں۔ مولنا احمد حسن صاحب "شوکت" میرٹھی کی خدمت میں کتابیں بغرض مقابلہ و تصحیح آپ ہی کی معرفت جاتی رہی ہیں اور بعد مقابلہ و تصحیح کے بہ نظر احتیاط آپ بھی ان کتابوں پر ہمیشہ نظر ثانی کرتے رہے ہیں اور اپنے مفید مشوروں سے مجھے ممنون فرماتے رہے ہیں۔

غرض تصحیح کے کام کے لیے مذکورۂ بالا نورتن میں نے بہت کد و کاوش سے جمع کیے ہیں اور میں اس سے بہتر انتخاب نہیں کر سکتا تھا۔ اور مجھکو پورا اطمینان ہے کہ جو نسخے ان حضرات کی نظر سے گزر جائینگے وہ بالکل صحیح ہونگے۔ عمل یہ ہے کہ جن جن کتابوں کی نقلیں ہو چکی ہیں وہ فرداً فرداً ایکے بعد دیگرے ان حضرات کی خدمت میں پہنچا دی جاتی ہیں اور نقل کے ساتھ اصل اور اُس کتاب کے جس قدر زاید نسخے ہوتے ہیں وہ بھی ساتھ بھیجدیئے جاتے ہیں۔ قرار داد یہ ہے کہ اوّل ایک ہی کتاب کا اس کے دوسرے نسخوں سے مقابلہ ہو اور مختلف نسخوں میں جہاں جہاں قرأت کا اختلاف ہو وہ حاشیہ پر ظاہر کر دیا جاوے اور نقل میں جو الفاظ یا عبارت کسی وجہ سے رہ گئی ہو اُن کو دوسرے نسخوں کی مدد سے پورا کر دیا جاوے۔ غیر مانوس اور غریب الفاظ کے معنی حاشیہ پر درج کر دیئے جائیں۔ پھر ایک نقادانہ نظر ہر نسخہ پر ڈالی جاوے اور اُس کا خلاصہ مضمون اُس کی نمایاں خصوصیات اور اُس کے محاسن و معائب (اگر کچھ ہوں) ایک تبصرہ کی صورت میں قلمبند کر دیئے جائیں۔

جن کتابوں کا صرف ایک ایک ہی نسخہ ملا ہے اُن کا مقابلہ دوسرے کتب خانوں کے نسخوں سے کرایا جائیگا۔

(۹) ترتیب

خمسہ کی ترتیب بادی النظر میں کچھ دشوار نہیں ہے۔ اسی طرح دوسری مستقل

مثنویوں (مثلاً قران السعدین، عشیقہ، نہ سپہر وغیرہ) کی ترتیب میں کسی دشواری کا اندیشہ نہیں ہے۔ مگر رام پور کے کتب خانہ کے نسخوں کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دواوین کی ترتیب و تقسیم پورے طور پر معین و مشخص نہیں ہے۔ مثلاً غرۃ الکمال کے ایک نسخہ میں بہت سی ایسی غزلیں شامل ہیں جو دیوان وسط الحیوۃ میں بھی موجود ہیں۔ اسی طرح پانچوں دیوانوں میں بعض مشترک غزلوں کا وجود پایا گیا ہے۔ پھر مجموعہ غزلیات میں بے شمار غزلیں غیر مشترک ملتی ہیں۔ جنکی نسبت ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ پانچوں دیوانوں سے جُدا ہیں یا اگر کسی دیوان کا جزو ہیں تو کس دیوان کا؟

یہی حال مجموعہ ہائے قصائد و مثنویات کا ہے جن کی بابت اب تک یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ ان میں سے کون کون سے قصائد و مثنویات مستقل جُداگانہ تصانیف ہیں اور کون کون سے دواوین خسرو کا جزو ہیں۔ لہذا یہ سب مواد اوّل ایک جگہ جمع ہو کر پھر بلحاظ نوعیت اور پایۂ کلام یا اندرونی شہادات کے اُس کی تقسیم و ترتیب عمل میں آئیگی۔ پیش نظر مقصد یہ ہے کہ جس قدر نسخے طبع ہوں وہ سب صحیح ہوں اور اُن کی مقدار و ترتیب حتی الوسع خود حضرت مصنف رحمہ اللہ کے اصلی نسخوں کے مطابق ہو۔

(۱۰) انتظام طبع

یہ امر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پبلک کو متوجہ کرنے کی غرض سے کلیات کا آغاز

ایک مقدمہ سے ہو جس میں حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ کے مختصر سوانح عمری درج ہوں
آپ کے کلام پر مختصر ریویو کیا جائے اور اُس کے مخصوص محاسن اور خوبیاں اس طرح نمایاں
کی جائیں کہ وہ اصل تصنیفات کے مطالعہ کی ترغیب و تشویق کا باعث ہو سکیں۔ چنانچہ
مولوی محمد اسمٰعیل صاحب رئیس میرٹھ نے مطلوبہ مقدمہ تحریر کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے۔
متعدد انگریزی، فارسی اور اردو تذکرے جناب موصوف کی خدمت میں پہنچا دیئے گئے
ہیں تاکہ آپ اُن میں سے حسب ضرورت مواد اخذ کرلیں۔ اُس کے بعد جو جو نسخہ طبع ہوگا
اُس کے شروع میں اُس پر تبصرہ ہوگا جس میں اُس خاص نسخہ کے مضامین کا خلاصہ اور
اُن مضامین پر تنقید ہوگی۔

جن نو (۹) حضرات کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اُن میں سے ہر صاحب حصہ رسدی
ایک ایک نسخہ پر تبصرہ لکھینگے چنانچہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب قران السعدین پر ایک
مبسوط ریویو تحریر فرما چکے ہیں۔ مولانا رشید احمد صاحب بحیثیت چیف ایڈیٹر کے ان تمام
تبصروں کو ملاحظہ کرینگے تاکہ تنقید کا پیمانہ یکساں قایم رہے۔ یہ امر زیر بحث آیا تھا کہ کلیات
لیتھو میں چھاپی جاوے یا ٹائپ میں۔ اہل یورپ تو یقیناً ٹائپ کے قدردان ہیں۔ اور اہتمام
طبع و صحت میں بھی سہولیت ٹائپ ہی کے چھاپہ میں ہے۔ مگر اس وقت باہمی مشورہ سے
یہی طے ہوا ہے کہ کلیات کا پہلا ایڈیشن ۲۰ × ۲۶ کی تقطیع کے دبیز چکنے کاغذ پر نہایت
آب و تاب کے ساتھ لیتھو میں طبع کیا جاوے جس کے لیے خود مدرسۃ العلوم علی گڑھ
کے مطبع (انسٹیٹیوٹ پریس) میں خاص انتظام کیا گیا ہے۔ اس سے بڑا نفع یہ پیش نظر ہے کہ

کاپیاں اور پروف وقت پر دیکھنے میں سہولت ہو اور کام تیزی سے چلتا رہے۔

یہ معاملہ بھی تصفیہ طلب تھا کہ کونسا کلام اس وقت طبع ہو اور کونسا سر دست ملتوی رکھا جا سکتا ہے۔ بعض ہمدرد حضرات نے مشورہ دیا تھا کہ جو تصنیفات مطبوعہ ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں اُن کے اعادہ طبع سے کچھ فائدہ نہیں۔ مثلاً اعجاز خسروی اُس کا موضوع صرف صناعات و تکلفات لفظی کا بیان ہے۔ اُس کے اعادہ طبع سے کیا فائدہ بعض مثنویات و قصائد بھی طبع شدہ ہیں۔ لہذا غیر مطبوعہ یا صرف تاریخی تصنیفات کے طبع و نشر پر قناعت کی جائے تو مفید تر ہوگا۔ لیکن نواب عماد الملک بہادر کی یہ رائے ہوئی (جس سے مجھے بھی کلی اتفاق ہے) کہ جسقدر کلام طبع ہوا ہے اُس کی صحت کا کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔ لہذا مطبوعہ نسخے عموماً غلط چھپے ہیں۔ اس لیے کل کلام صحیح ہو کر طبع ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہی فیصلہ آخری ہے۔

نسخہ نصاب بدیع العجائب، نصاب مثلث تمام مراحل مقابلہ و تصحیح طے کر کے معہ تبصرہ کے مطبع میں پہنچ چکا ہے اور کاپیاں تیار ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نسخہ عنقریب طبع ہو کر ہدیۂ شائقین ہوگا۔ اسی طرح مثنوی شیریں خسرو بعد طے مراحل مطبع میں پہنچ چکی ہے اور کاپیاں لکھی جا رہی ہیں۔ خمسہ کی باقی چار مثنویاں زیر تصحیح ہیں اور عنقریب مطبع میں پہنچا چاہتی ہیں۔ اس کے بعد دواوین کا سلسلہ انشاء اللہ تعالیٰ شروع ہوگا۔

اب میں ذیل میں مختصر طور پر اُن تصانیف کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اس وقت تک بہم پہنچ چکی ہیں اور جن کی تصحیح اور اشاعت کا انتظام

درپیش ہے۔

(۱) خمسۂ خسروی:۔ یہ خمسہ پانچ مثنویوں پر مشتمل ہے۔ (۱) مطلع الانوار۔ (۲) شیریں خسرو (۳) مجنوں لیلےٰ (۴) آئینہ سکندری (۵) ہشت بہشت۔

یہ خمسہ جو "پنج گنج" کے نام سے بھی مشہور ہے حضرت امیر خسرو نے خمسہ نظامی کے جواب میں لکھا ہے۔ مولٰنا نظامی رح کی مثنوی مخزن الاسرار کے جواب میں مطلع الانوار لکھی گئی۔

خسرو شیریں کے جواب میں شیریں خسرو۔ لیلیٰ مجنوں کے جواب میں مجنوں لیلے۔ سکندر نامہ کے جواب میں آئینہ سکندری۔ اور ہفت پیکر کے مقابل ہشت بہشت تصنیف ہوئی جس میں بہرام گور کا قصّہ مذکور ہے۔

یہ خمسہ حضرت امیر نے تین سال میں تمام کیا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں

کہ از ان نقد قیمتی بہ سہ سال

کردم ایں پنج گنج مالا مال

مصنّف علیہ الرحمۃ نے خمسہ کی ترتیب کو خود ہی اس طرح بیان فرمادیا ہے۔

دادی اوّل بہ گنبدِ دوّار — روشنائی ز مطلع الانوار

کردی انگاہ بانشاط تمام — شہد شیرین و خسرو اندر جام

باز در عالم خردمندی — شور مجنون و لیلیٰ افگندی

پس زبان پردُر دری کردی — شرح راز سکندری کردی

وین زمان کز جواهر انجم — می نگاری صحیفهٔ پنجم

گویم افسانهای طبع فزای — از لب لعبت فسانه سرای

هر یکی را بهشت نام کنم — حور و کوثر دران تمام کنم

هفت باشد بهشت و کوثر هفت — هشتم آن کاندرو بود هر هفت

پس نویسم بکلک مشک سرشت — نام این هشت خانه هشت بهشت

خمسہ نظامی و خمسہ خسروی کے اشعار کی تعداد کا مقابلہ کرتے ہوئے دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ نظامی کے خمسہ میں ۲۸ ہزار اشعار ہیں مگر خمسہ خسروی میں ۱۸ ہزار ہیں حضرت امیر خسرو نے خمسہ کی ہر ہر مثنوی کے اشعار کی تعداد خود ظاہر فرما دی ہے۔

چنانچہ مطلع الانوار کی نسبت آپ نے لکھا ہے۔

در همه بیت آوری اندر شمار — سیصد و ده بر شمر و سه هزار (۳۳۱۰)

از اثر اختر گردون خرام — شد بدو هفته این مه کامل تمام

سال که از چرخ کهن گشت بود — از پس ششصد نود و هشت بود (۶۹۸)

شیریں خسرو کی بابت آپ فرماتے ہیں:

ز آغاز رجب فرخ شد این فال — ز هجرت ششصد و پنج و نود سال (۶۹۵)

اگر پرسی که بیتش را عدد چیست — چهار الف و چهارست صد و بیست (۴۱۲۴)

اشعار مذکورۂ بالا سے شیریں خسرو کی تصنیف کا سنہ ۶۹۵ ہجری میں ہونا پایا جاتا

ہے۔ مگر چونکہ حضرت امیر نے ذیل کے اشعار میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مثنوی شیریں خسرو مطلع الانوار کے بعد لکھی گئی اور مطلع الانوار ۶۹۸ھ میں تصنیف ہوئی اس لیے بعض تذکرہ نویسوں کی یہ رائے ہے کہ شیریں خسرو بھی ۶۹۸ ہجری کی تصنیف ہے۔

نخست از پردہ ایں صبح نتوہم — نمود از مطلع الانوار نورم
پس از کلکم چکید ایں شربت نو — کہ نامش کردہ ام شیریں و خسرو

مجنوں لیلیٰ کی بابتہ لکھا ہے:

بیتش بہ شمار راستی ہست — جملہ دو ہزار و ششصد و شصت (۲۶۶۰)
تاریخ زہجرت آنچہ بگذشت — سالش نود است و ششصد و ہشت (۶۹۸ھ)

آئینہ سکندری کی بابتہ تحریر فرمایا ہے:

گر آری ہمہ بیتش اندر عدد — چہار الف و پنجہ شد و چار صد (۴۴۵۰)
دریں دم کہ پایان ایں پیکر است — ز تاریخ ہفتصد یکے کمتر است (۶۹۹)

ہشت بہشت کے بارہ میں لکھا ہے کہ:

ہمہ بیتش بگاہ عرض و شمار — سہ صد و پنجہ و دو و سہ ہزار (۳۳۵۲)
سال ہجرت یکے و ہفتصد بود (۷۰۱) — کیں بنا بر دسر بچرخ کبود

اس طرح تمام خمسہ کے اشعار کی تعداد جمع کرنے سے کل ۱۷۸۹۶ اشعار ہو جاتے ہیں۔

خمسہ خسروی کی پانچویں مثنوی کا نام "ہشت بہشت" ہے۔ ادریس بن حسام الدین

نے سلاطین عثمانیہ (ترکی) کی ایک تاریخ سلطان مراد ثانی کے عہد تک لکھی ہے۔ اس کا نام بھی "ہشت بہشت" ہے۔ مگر وہ حضرت امیر خسرو کی مثنوی سے بالکل جدا کتاب ہے۔

بعض سخنوروں نے خمسہ خسروی کو خمسہ نظامی پر ترجیح دی ہے۔ خود حضرت امیر خسرو کو بھی اپنی تصنیف پر ناز تھا۔ چنانچہ خمسہ کی تکمیل پر آپ نے فخریہ فرمایا ہے:

دبدبۂ خسرویم شد بلند　　　زلزلہ در گور نظامی فگند

حضرت امیر نے خود تحریر فرمایا ہے کہ خمسہ خسروی بغرض اصلاح و نظر ثانی قاضی شہاب الدین صاحب کے ملاحظہ سے بھی گزر چکا ہے جو اپنے عہد کے نہایت باکمال فاضل تھے۔

(۲) مثنوی قران السعدین:- یہ مثنوی حضرت امیر خسرو کی ایک تاریخی تصنیف ہے جس میں شاہ دھلی سلطان معز الدین کیقباد کی اپنے پدر ناصر الدین بغرا خاں والی بنگال کی ملاقات کا تذکرہ ہے جو اودھ میں دریائے گھاگرا کے ساحل پر سنہ ۶۸۸ ہجری (مطابق سنہ ۱۲۸۹ عیسوی) میں ہوئی تھی۔ چونکہ اس مثنوی میں شہر دھلی اور اس کی بعض عمارات کی تعریف بھی لکھی ہے، اس لیے اس مثنوی کا نام "مثنوی در تعریف دھلی" بھی ہے۔ اشعار ذیل اس مثنوی کے زیب عنوان ہیں:-

شکر گویم کہ بتوفیق خداوند جہاں　　　بر سر نامۂ توحید نوشتم عنواں

نام این نامۂ والاست قران السعدین ... کز بلندیش بسعدین سپہر است قران

حضرت امیر نے لکھا ہے کہ یہ مثنوی میں نے اپنی عمر کے چھتیسویں سال میں لکھی تھی اور اس کے لکھنے میں تین ماہ صرف ہو گئے تھے۔ ماہ رمضان ۶۸۸ھ ہجری مطابق ۱۲۸۹ء عیسوی میں یہ مثنوی ختم ہوئی اس میں ۳۹۴۴ اشعار ہیں۔

ور ز عمل بازکشائی شمار ... نہ صد و چار و چہل و سہ ہزار

ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے کہ اس مثنوی کی تین شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ پہلی شرح ۱۰۱۴ھ ہجری میں مولانا نور الحق صاحب نے لکھی۔ دوسری شرح عبدالرسول قاسم صاحب سے منسوب ہے۔ تیسری شرح کے مؤلف کے نام کا پتہ نہیں چلا۔

(۳) مثنوی عشیقہ یا عشقیہ :۔ اس کا نام مثنوی خضر خانی دو ولرانی بھی ہے۔ اس مثنوی میں سلطان علاء الدین محمد شاہ خلجی کے بیٹے شاہزادہ خضر خاں اور راجہ کرن والی گجرات کی دختر دیول رانی کی محبت کا تاریخی قصہ مذکور ہے۔ یہ مثنوی چار ماہ میں لکھی گئی اور ماہ ذیقعدہ ۷۱۵ھ ہجری مطابق ۱۳۱۵ء عیسوی میں ختم ہوئی۔

اس مثنوی میں اوّل ۴۲۰۰ اشعار تھے۔

چو بر بالا کشد این پردہ را کس

چہار الفست دو ولیست اینقدر بس

مگر حضرت امیر نے لکھا ہے کہ شاہزادہ خضر خاں کی رحلت کے بعد ۳۱۹ اشعار کا اس میں میں نے اور اضافہ کر دیا اور اس طرح اس مثنوی کے کل اشعار کی

۱۹۵ھ ہو گئی۔ یہ مثنوی سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے معنون ہے۔ حضرت امیر خسرو نے اس مثنوی کی وجہ تالیف یہ بیان کی ہے کہ آپ ایک روز شاہزادہ خضر خاں کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اثنائے ملاقات میں شاہزادہ نے فرمائش کی کہ میں نے دیول رانی کے ساتھ اپنی محبت کے واقعات خود قلمبند کیے ہیں۔ آپ اُن کو نظم کر دیجئے۔ چنانچہ جس وقت شاہزادہ نے اپنا مسودہ حضرت امیر کے سپرد کیا تو آپ فرماتے ہیں کہ اُس کو پڑھ کر میں اشکبار ہو گیا۔ اور میں نے اُسے نظم کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اس مسودہ میں ہندی الفاظ کثرت سے استعمال ہو رہے تھے۔ لہذا اُسے دیکھکر حضرت امیر خسرو کو سب سے پہلے یہ فکر ہوئی کہ ریشم میں گزی کا پیوند کیونکر لگیگا۔ لیکن پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ کافی غور کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ "ہندی زبان کسی طرح فارسی زبان سے کم درجہ کی نہیں ہے۔ ہندی زبان کا عربی زبان سے تو مقابلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ عربی توام السنہ ہے۔ مگر فارسی سے ہندی کسی طرح کم نہیں ہے۔ عربی خالص زبان ہے جس میں غیر زبان مخلوط نہیں ہو سکتی۔ مگر فارسی کا لطف بغیر عربی کی چاشنی کے نہیں آتا۔ بلحاظ قواعد صرف و نحو و بلحاظ فصاحت و بلاغت ہندی زبان میں کوئی نقص نہیں ہے۔ جو شخص عربی و فارسی اور ہندی تینوں زبانوں سے واقف ہو وہ اس قول کی صداقت کو تسلیم کر سکتا ہے"۔ اسی سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں "اگر میں عقل و انصاف سے ہندی زبان کے اوصاف بیان کروں تو ناظرین معترض ہونگے۔ اور اگر میں اپنے قول کی تائید میں قسم کھاؤں تو

نہیں معلوم کہ اُس کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ میرا علم ہندی زبان کا بمقابلہ سمندر کے قطرہ کا حکم رکھتا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جس شخص نے ہندوستان اور دریائے گنگ کو نہ دیکھا ہو وہی دریائے نیل اور دجلہ پر فخر کر سکتا ہے۔ اور جس نے صرف ملک چین کا بلبل دیکھا ہو وہ ہندوستان کی طوطی کی قدر کیا پہچان سکتا ہے۔ جو خراسانی ہر ہندوستانی کو احمق سمجھتا تھا وہ غالباً اس ملک کے پان کو گھاس سمجھتا ہوگا ۔ میرے اس قول کو وہی منصف طبع لوگ باور کرینگے جنھوں نے مختلف ممالک میں سیاحت کی ہے اور غور و خوض کے ساتھ اُن ممالک کے حالات کا مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن جو شخص عصبیت سے کام لیگا وہ البتہ غیر ملکی انجیروں کو ہندوستان کے آموں پر ترجیح دیگا۔ مگر ہندوستان نہ صرف ایک وسیع ترین ملک ہے بلکہ جنت نشان ہے۔ کیونکہ اگر اس ملک کو جنت سے کوئی بھی مناسبت نہوتی تو حضرت آدم اور طاؤس اس ملک کی زینت کا باعث نہوتے۔"

(۴) مثنوی مفتاح الفتوح یا فتح الفتوح یا فتحنامہ :۔ اس میں جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے ابتدائی فتوحات کا تاریخی بیان ہے جو سنہ ۶۸۹ ہجری (مطابق سنہ ۱۲۹۰ء) میں تخت نشین ہوا تھا۔ یہ مثنوی دیوان غرۃ الکمال کا جزو ہے۔ اور پرانے نسخوں میں اسی دیوان میں شامل پائی جاتی ہے۔ اس مثنوی کے عنوان میں یہ شعر درج ہے۔

سخن برنام شاہی کردم آغاز   کہ بر شاہان در دولت کند باز

(۵) مثنوی فرس الفرس بھی دیوان غرۃ الکمال کا جزو ہے۔ جس کا ابتدائی مصرعہ ہے: ع

فرس الفرس خطاب شد ایں اسپ نامہ را

(۶) اسی طرح غرۃ الکمال کی مثنویات میں سے ایک مثنوی کا نام قصہ باز نامہ ہے جو اس مصرعہ سے شروع ہوتی ہے:

"ایں قصۂ باز نامہ من داں کہ بہر ایں"

(۷) اسی دیوان غرۃ الکمال کی ایک مثنوی شاہنامہ فردوسی کے وزن پر ہے۔

ولایت ستانا خصم افگنا — بہ لشکر کشی ہمچو مہر روشنا

اس دیوان کی رباعیات کا عنوان ہے: المتفرقات فی المدیح والاوصاف یعنی صفت گرز، صفت تیغ و صفت بخشش وغیرہ۔

(۸) مثنوی نہ سپہر۔ یہ ایک مستقل علیحدہ مثنوی ہے اور حضرت امیر خسرو کی عمر کے آخری حصہ کی تصنیف ہے۔ اس کے عنوان میں یہ شعر درج ہے:

اول نگر نگارش تو حید کردگار — کیں نہ سپہر گشت بفرمانش آشکار

یہ مثنوی سنہ ۷۱۸ ہجری میں لکھی گئی جب کہ آپ کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

در گشادہ کنم ایں نقش و نگار — سال بر ہفتصد و ہژدہ شمار

اس مثنوی میں ۴۵۰۹ اشعار ہیں اور اس میں قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے (جس کی وفات ۷۲۱ھ ہجری مطابق ۱۳۲۱ء میں ہوئی) دربار اور اُس کے عہد کے بعض واقعات کا ذکر ہے۔ تیسری سپہر میں حضرت امیر خسرو نے اپنے ہندی نژاد ہونے کا ذکر کر کے ہندوستان کے مختلف حصص کی زبانوں کا دلچسپ تذکرہ کرتے ہوئے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ہر ملک میں اُس ملک کے فاتحوں کی زبان رفتہ رفتہ خواص و عوام میں مروّج ہو جاتی ہے اور اُس ملک کی زبان مشترکہ بنجاتی ہے۔ آپ نے اپنے عہد کی مروّجہ زبانوں کی نسبت لکھا ہے کہ ہر ہر صوبہ کی زبان علٰحدہ علٰحدہ ہے جس میں سے ایک کو دوسری سے کوئی مناسبت نہیں مثلاً سندھی، لاہوری کشمیری، تلنگی، گجراتی، ملاباری، گوڑ، بنگالی، اودھی، دہلوی۔ اس فہرست سے سُراغ لگتا ہے کہ اُس زمانہ میں اُردو زبان کی داغ بیل پڑچکی تھی جو اپنی اُس ابتدائی حیثیت میں دہلوی زبان کہی جاتی تھی۔ اسی سلسلہ میں حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں کہ علاوہ مرّوجہ زبانوں کے ہندوستان میں ایک خاص زبان ہے جس کو برہمن کام میں لاتے ہیں اسی زبان کا نام سنسکرت ہے۔ جس سے عوام بالکل ناواقف ہیں اور اگرچہ ایک برہمن مرد یہ زبان جانتا ہے مگر برہمن عورت اس زبان کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھتی بعض لحاظات سے سنسکرت عربی سے مماثلت رکھتی ہے۔ مثلاً فصاحت قواعد صرف و نحو، گردان افعال، حروف کی مختلف ترکیبوں سے بیشمار الفاظ کی ساخت۔ لکھا ہے کہ چاروں وید اسی زبان میں ہیں جن کو برہمن پڑھتے ہیں اور جن میں دیوتاؤں کی تعریف ہے۔ پھر

فرماتے ہیں کہ سنسکرت زبان میں انشا پردازی اور فصاحت و بلاغت کے معین
قواعد موجود ہیں اور سوائے عربی زبان کے اس زبان کا پہلو اور کسی زبان سے نہیں دبتا
بلکہ دری زبان پر اُس کو تفوق حاصل ہے۔ گو دری زبان نہایت شیریں اور سُریلی ہے مگر
اس لحاظ سے بھی سنسکرت اُس سے کچھ کم نہیں ہے۔ سنسکرت زبان کی خصوصیات
حضرت امیر نے اس تفصیل سے بیان فرمائی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے
اس زبان کی صرف و نحو اور دیگر فنون میں کافی دستگاہ بہم پہونچائی تھی ورنہ تعبیر و تفصیلات
تامہ کے جناب صوف دوسری زبانوں سے اس بے تکلفی کے ساتھ اُس کا مقابلہ نہ
فرما سکتے۔ نویں سپہر میں مصنف نے فخریہ لہجہ میں اپنی ہمہ گیر قادر الکلامی کا اظہار کیا
ہے کہ اگرچہ کل عجم و ایران میں دو شاعر شیخ سعدی شیرازی اور حکیم ہمام تبریزی
بہت نامور گزرے ہیں، لیکن میرا پایہ سخن اُن دونوں سے بلند ہے۔ کیونکہ اُنکے اشعار
میں خواہ کچھ ہی اوصاف ہوں مگر وہ میری طرح کثیر الکمالات نہ تھے۔

(۹) دو اوین۔ حضرت امیر خسرو کے پانچ دیوانوں میں سے سب سے پہلا
دیوان تحفۃ الصغر ہے جس میں آپ کا ۱۶ ویں سال سے لیکر ۱۹ ویں سال تک کا
کلام ہے۔ یہ دیوان سلطان بلبن کے عہد میں لکھا گیا تھا۔ اس دیوان میں قصائد،
قطعات، غزلیات، مثنویات اور رباعیات شامل ہیں جن میں زیادہ تر سلطان
بلبن، ولیعہد سلطنت شاہزادہ خاں شہید اور ہمعصر امرا و وزرا کی طرف خطاب ہے
ترجیع بندوں میں مصنف نے زیادہ تر اپنے ہادی طریقت حضرت محبوب الٰہی

سلطان نظام الدین اولیا قدس سرہ العزیز کی تعریف کی ہے۔ اس دیوان کے ساتھ حضرت امیر خسرو نے ایک مبسوط دیباچہ شامل فرمایا ہے جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے بھائی تاج الدین زاہد نے نہایت مشقت کے ساتھ آپ کے سولھویں سال سے لیکر اُنیسویں سال تک کا کلام جمع کیا اور خود ہی اس کلام کو مرتب کیا۔ اور ہر ہر نظم کے عنوان پر ایک ایک شعر سرخ روشنائی سے لکھا ہے جو اس وجہ سے "بیت سرخ" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان ابیات سرخ میں صنعت یہ رکھی گئی ہے کہ ہر عنوان کا شعر اپنی اپنی جگہ اُس نظم کے خلاصہ مضمون پر حاوی ہے جس کا کہ وہ عنوان ہے۔ اور عنوان کا مقصد بھی ہوتا ہے۔ لیکن لطف یہ ہے کہ اگر ان تمام ابیات سرخ کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے تو وہ سب ابیات ملکر بجائے خود ایک مستقل حمد النظم بن جاتی ہیں جس کا مضمون مسلسل ہوتا ہے عنوان کے اشعار کا یہ التزام سوائے دیوان نہایت الکمال کے حضرت امیر خسرو کی باقی چاروں دیوانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ چاروں دیوانوں میں عنوان کے ابیات کو باعتبار بحر اور باعتبار ردیف و قافیہ کے مختلف رکھا ہے تاکہ ایک دیوان کے ابیات دوسرے دیوانوں کے ابیات میں مخلوط نہو سکیں۔ اس دیوان کے قصائد کا مندرجہ ذیل رباعی سے آغاز ہوتا ہے:۔

لوحے کہ بر صحیفۂ گردوں مصورست ۔۔۔ توقیع آں بنام خداوند اکبرست

شد تحفۃ الصغر چو خطاب ایں سخن ادرا ۔۔۔ از ذکر ذو الجلال سوادی منورست

(۱۰) آپ کا دوسرا دیوان وسط الحیوٰۃ ہے جس میں چوبیسویں سال سے

۳۲ ویں سال تک کا کلام شامل ہے۔ یہ دیوان قصائد، ترکیب بند، غزلیات اور قطعات کا مجموعہ ہے جن میں زیادہ تر حضرت امیر خسرو نے اپنے پیر حضرت سلطان نظام الدین اولیاؒ رحمہ اللہ کے مناقب سے لکھے ہیں۔ نیز شہزادہ خاں شہید (جو اس وقت پنجاب و ملتان کا گورنر تھا) اور سلطان معز الدین کیقباد اور دیگر امراء دربار کی ثنا و صفت بیان کی ہے۔ اس دیوان کے دیباچہ میں حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں " در دیباچہ تحفۃ الصغر ذکر کردہ شدہ است کہ بر سر ہر شعرے در صفت آں یک بیت ثبت افتادہ است۔ از ایں جملہ ابیات شعرے تمام می خیزد۔ و ایں خاص وضع منست کہ در آں کتاب مکتوب است۔ و بعد ازیں در جملہ ابیات سلسلہ ھم ازاں باب خواہد بود۔ مقصود ایں ست کہ چنانکہ در تحفۃ الصغر وضع صفت تو رفتہ است دریں دیوان نیز طریقہ غریب و خوش آئند آمدہ است کہ پیش ازیں ہا ہیچ مبصرے را در نظر نیامدہ۔ مگر افضل الدین خاقانی کہ در ترجیعات نگاہ داشت یک قافیہ در ہر خانہ وضعی است تا استاد خاقانی نامہ شعر را در تنازع ابیات راہ ندادہ است و ہم در سر شعر آں نام را عنوان گردانید۔ ولیکن بندہ ایں قدر تصرف زیادہ دارد کہ نامہ شعر را در آخر ہماں شعر در بیتے درج کردہ است تا آں شعر را بداں نام خوانند"

(۱۱) تیسرا دیوان غرۃ الکمال ہے جس میں ۳۴ ویں سال سے لے کر ۴۲ ویں سال تک کا کلام جمع ہے۔ اس کے شروع میں مصنف نے ایک طویل دیباچہ میں اپنی سوانح عمری پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے اور بعض اُن صنائع و بدائع کا ذکر کیا ہے۔

جو خاص آپ کے ایجادات ہیں۔ یہ کلام آپ نے اپنے بھائی علاء الدین علی شاہ کی فرمائش پر جمع کیا۔ اس دیوان میں بھی قصائد و قطعات، ترجیع بند، مثنویات، غزلیات و رباعیات شامل ہیں۔ قصائد میں حسب معمول حضرت سلطان نظام الدین اولیاء کی منقبت، سلطان وقت اور اُمرا، دربار کے مدح و ثنا ہیں۔ قصائد کے دیکھنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس قدر قصائد حمد و نعت منقبت یا مواعظ و حکم میں لکھے گئے ہیں۔ وہ نہایت پرزور اور شاندار ہیں اور جو قصائد شاہوں یا اہل دربار کی تعریف میں ہیں اُن میں کچھ زیادہ زور طبیعت نہیں صرف کیا گیا۔ اکثر شاندار قصیدے قدماء اساتذہ کے جواب میں لکھے گئے ہیں اور ایسے قصائد میں حضرت امیر نے پورا زور طباعی صرف کیا ہے مثلاً حکیم افضل الدین خاقانی شروانی کے مشہور قصیدہ کے جواب میں آپ نے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے خاتمہ میں خاقانی کی اُستادی کو تسلیم کر کے اپنی نقلی کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

مرا سبقِ کمال است آنکہ گفت اُستادِ خاقانی — دلِ من پیرِ تعلیم است و من طفلِ زباندانش

نہ من گفتارِ دانا را جوابے ساختم لیکن — جوی آوردم و سآبے کہ ریزم پیش بکرانش

گر او بود است حسّان عجم من جادوی ہندم — کہ در بکدم رسانم باز بابشنیدہ حسّانش

سخن زانگونہ گفت استم بلند امروز در دہلی — کہ از خواب گران بیدار کردستم بہ شروانش

بشرق و غرب بشنیدند گفتارِ بلندِ من — علاجی سمع را۔ گر نشنوند اصحاب و اقرانش

چنیں شعری کہ سبعیات از وسبعی ست میشاید — کہ خوانند نائب سبع المثانی روح سحبانش

زبیم دزد پنہاں کردہ ام گنجے بہر بیتے — خداوندا نگہداری ز نقب دست ایشانش

زرائے حاسد ترا مرگی ست زیں آبحیات من — خضر داند کہ با عمر ابد بست است پیمانش

ز فہم شعر خود سحر است۔ چہ بود سحر؟ گمراہی — بہ یزداں کر رسد آں کو بگمراہی ست ادیانش

چہ بر چینیم ازیں خاکے کہ می بیزم باکسوتش

چہ بر بندم ازیں بادے کہ می سنجم باوزانش

اس دیوان کے دیباچہ میں آپ نے اپنی ایجاد کردہ جن صنایع بدایع کا ذکر کیا ہی اُن میں سے بعض کا تذکرہ اس موقع پر دلچسپی سے خالی نہو گا۔ چنانچہ ایک صنعت آپنے ایجاد کر کے اُس کا نام "حامل و موقوف" رکھا ہی جس کا مطلب یہ ہی کہ ہر مصرعہ اپنے مابعد مصرعہ کا محتاج رہتا ہی مثلاً:

در حسن کسی ترا نماند آں — خورشید کہ صبح برون آید تا

خدمت کند و پای تو بوسد تا — بینی تو بسوی او چو پا بوسد یا

ایک اور صنعت اشتقاق معنوی کی ہی۔ اس میں ایک ہی صورت کے الفاظ کو مختلف معنوں میں استعمال کیا جاتا ہی مثلاً:

ای کہ چون خنگ تو جولاں در گرفت — گرد گرد اگرد گردوں گرد کرد

بسکہ خلق از تو بسر ما برد برد — برد برد برد برد ا برد برد

چوں دو دردِ در دخصمت خورد گفت — در دو در دو درد در دا در دو درد

ایک اور صنعت "بے کام و زبان" ہی جس میں صرف لبوں سے شعر پڑھا جاتا

ہی زبان و تالو سے کام ہی نہیں لیا جاتا۔ مثلاً:

موی سر ما بموی ما بویا بہ — بے او مویم موی و یم ما و ابہ

مائیم و مہے و آں مہ ما با ما — ما بہ مہ ما و ماہ ما با ما بہ

ایک اور صنعت ہی جس کا نام "ایہام ذوالوجوہ" ہی یعنی ایک ایک لفظ متعدد معنوں کا احتمال رکھتا ہی۔ مثلاً:

باز سر باز تو با سیمرغ سر بازی کند — گر تو ای شیر گراں سر باز داری در شکار

حضرت امیر خسرو نے ناظرین کو خود توجہ دلائی ہی کہ اس شعر میں مصرعہ آخر کے چار معنی ہو سکتے ہیں (۱) یعنی باز را در شکار داری (۲) یعنی اگرچہ او را باز داری از شکار (۳) یعنی کشادہ داری باز را (۴) یعنی اگر سر باز در شکار داری اور مصرعہ ثانی میں سر باز ملا کر پڑھنے سے دو اور معنی پیدا ہو جاتے ہیں یعنی سر باز زندہ (دلاور) داری باز را اور باز را سر کشادہ داری (جو باز تربیت یافتہ ہوتا ہی وہ سر کشادہ ہوتا ہی اور نئے باز کا سر کلاہ سے ڈھکا رہتا ہی) ایک اور صنعت "ایہام" ہی جس میں ایک ہی شعر ایک ہی صورت میں فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں پڑھا جا سکتا ہی۔ مثلاً:

آئی آئی ہماں بیاری آئی

ماری ماری براہ موسی نائی

(۱۲) چوتھا دیوان "بقیہ نقیہ" ہی جس میں پچاسویں سال سے لیکر ۶۴ ویں

سال تک کا کلام ہے۔ ذیل کا شعر اس دیوان کے دیباچہ کا عنوان ہے:۔

بقیہ بیت نقیہ زفیض طبع من این

کہ چوں طبایع افلاک محکم است دمتین

اس دیوان میں غزلیات حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہیں اور اُن کے عنوان میں یہ شعر درج ہے:

ای زخیال ہا برون رتو خیال کے رسد

با صفت تو عقل را الاف کمال کے رسد

(۱۳) پانچواں دیوان نہایت الکمال ہے جس میں مصنف کی آخری عمر کا کلام ہے اس دیوان کے ساتھ ہی ایک مختصر دیباچہ ہے جس میں حمد و نعت اور حضرت محبوب الٰہی کی منقبت درج ہے۔ اس دیوان میں بھی مثل دیگر دیوانوں کے مثنویات، قصائد، غزلیات، قطعات، ترجیع بند اور رباعیات شامل ہیں۔

(۱۴) ایک نسخہ قلمی موسوم بہ دیوان امیر خسرو میرے اپنے کتب خانہ میں موجود تھا جس میں بہت سی ایسی غزلیں پائی جاتی ہیں جو مذکورہ بالا پانچوں دیوانوں کی غزلوں سے جدا ہیں۔ اُن کو متفرق مجموعہ غزلیات کے سلسلہ میں شامل کر دیا جائیگا۔

(۱۵) منجملہ حضرت امیر خسرو کے قصائد کے ایک بہت بڑا قصیدہ ہے جو آپکی تصانیف کی فہرست میں ایک جداگانہ تصنیف کی حیثیت سے درج ہے۔ اس کا نام

"قصیدۂ امیر خسرو متضمن حقیقت شاہ نامہ فردوسی" ہی جس میں آپ نے شاہ نامہ فردوسی کے حالات درج فرمائے ہیں۔ اس قصیدہ کا عنوان ہی:

"بنام ایزد بخشایندہ بخشایش گر مہربان دادگر" اور مندرجۂ ذیل شعر سے شروع ہوتا ہی:۔

آمد نگارِ من بسر از ناز افترا
با قامتے چو از چمن خلد عرعرا

(۱۶) نصاب بدیع العجائب و نصاب مثلث۔ یہ حقیقت میں دو رسالے ہیں ایک کا نام نصاب بدیع العجائب ہی جو حضرت امیر خسرو کی تصنیف ہی اور دوسری کا نام نصاب مثلث بدیعی ہی جو مولٰنا محمد بدیع بدیعی کی تصنیف ہی۔ مگر چونکہ قدیم نسخوں میں یہ دونوں رسالے التزاماً ساتھ پائے جاتے ہیں اس وجہ سے غالباً یہ دونوں نظمیں حضرت امیر خسرو سے منسوب ہوگئیں۔ نصاب بدیع العجائب میں تمام قطعات مختلف بحوروں اور مختلف صنعتوں میں لکھے گئے ہیں۔ چنانچہ پہلا قطعہ صنعت تجنیس میں ہی۔ مثلاً:

مصر شہر و شہر ماہ و ماہ آب و خوف سہم
سہم تیر و اضحہ چہ بال باشد بالِ جاں

نصاب مثلث میں سہ حرفی الفاظ ایک ایک مصرعہ میں تینوں حرکتوں کے ساتھ جمع کرکے اُن کے معنی بتلائے ہیں۔ مثلاً رَب بمعنی خدا۔ رِب بمعنی جماعت

کثیر درب بمعنی عصارہ ایک شعر میں اس طرح جمع کیے گئے ہیں :

رب اں پروردگار و رب بود جمیع خلق

رب آب خالص از انگور و سیب ناردان

(۱۷) شہر آشوب - اس میں رباعیات میں جن میں اہل حرفہ کی اصطلاحات جمع کی گئی ہیں - مثلاً :

نجار پسر کہ تیشہ رانی میکرد　　آرے برماستم نہانی میکرد

(تیشہ - آرہ - برما - نہانی)

(۱۸) کلام نثر میں خزائن الفتوح جس کا نام سرور الروح، تاریخ علائی اور فتحنامہ بھی ہے زیر تصحیح ہے۔ اس میں سلطان علا الدین خلجی کی تخت نشینی ۶۹۵ھ ہجری ۱۲۹۶ عیسوی اور اس کے عہد کے فتوحات کا ذکر ہے۔

(۱۹) افضل الفوائد میں حضرت محبوب سبحانی سلطان نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ہیں۔ علم تصوف میں یہ بہت باوقعت کتاب سمجھی جاتی ہے۔

(۲۰) اعجاز خسروی یا رسائل اعجاز - یہ ایک نہایت ضخیم کتاب ہے اور حضرت امیر خسرو کی مرصع و مسجع فارسی انشا پردازی اور گوناگوں صنایع و بدایع کا اعلیٰ نمونہ ہے - یہ کتاب مطبع نولکشور میں طبع بھی ہو چکی ہے۔ اس کی صحت کی طرف کتب مذکورہ بالا سے فارغ ہونے کے بعد توجہ کی جائیگی -

(۲۱) خالق باری اور قصۂ چہار درویش جو حضرت امیر خسرو سے منسوب ہیں معروف کتابیں ہیں۔ اگر ان کے معتبر اور صحیح نسخے دستیاب ہوگئے تو اُن کو بھی شامل کلیات کیا جائیگا۔

علاوہ مندرجہ بالا تصانیف کے ذیل کی کتابیں اب تک دستیاب نہیں ہوئی ہیں :-

(۱) تغلق نامہ (۲) مناقب ہند (۳) شگرف بیان (۴) ترانہ ہندی (۵) انشاء امیر خسرو (۶) تاج الفتوح (۷) احوال امیر خسرو (۸) تاریخ دہلی (۹) مکتوبات امیر خسرو (۱۰) جواہر البحر (۱۱) مقالہ (حالات خلفاء اربعہ (۱۲) راحت المحبین (۱۳) رسالہ ابیات بحث (خسرو جامی) (۱۴) مناجات خسروؒ۔

افسوس ہے کہ باوجود کوشش بلیغ کے کسی ہندوستان کے کتب خانہ میں تغلق نامہ کا پتہ نہیں چلا۔ نہ سوائے ایک دو تذکروں کے اور فارسی تذکروں میں اس کا بالتفصیل ذکر پایا گیا۔ البتہ سر گور آؤسلے (Sir Gore Ousley) نے اپنے میموائرز (Memoirs) میں جن میں تیس مشہور شعراء فارسی کے دلچسپ حالات درج ہیں اس تصنیف کا مختصر حال لکھا ہے۔ یہ میموائرز شاید ۱۸۰۰ء کے قریب لکھے گئے تھے، مگر اُن کا مکمل طور پر طبع ہونا ۱۸۴۴ء سے

پیشتر نہیں پایا جاتا۔ یہ کتاب اب کمیاب ہے اور میں نے اوّل مرتبہ اس کا مطالعہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اُس وقت کیا تھا جب میرے اُستاد مولٰنا الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مرحوم و مغفور حیاتِ سعدی لکھ رہے تھے۔ اور میں نے بعض دلچسپ واقعات سعدی علیہ الرحمۃ کی زندگی کے اس سے اخذ کر کے مولانا مرحوم کی خدمت میں پیش کیے تھے۔ اب مجھے حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کا کلام جمع کرنے کے سلسلہ میں اُس کے دوبارہ مطالعہ کی نوبت آئی اور میں مسٹر جونس صاحب پرنسپل آگرہ کالج کا ممنون ہوں کہ اُنھوں نے میری درخواست پر مجھے اُس کے دیکھنے کا موقع عنایت کیا۔ اس کتاب میں سر گور آؤسلے بحوالہ تذکرہ ہفت اقلیم مصنفہ امین احمد باشندہ رے تحریر کرتے ہیں کہ یہ نظم دراصل تغلق شاہ کے عہد کی تاریخ ہے اور اس میں ۳ ہزار اشعار ہیں۔ میں اس کے مزید حالات دریافت کرنے اور سراغ لگانے کی غرض سے خود سلطان المشایخ رحمت اللہ علیہ کی درگاہ میں (جہاں حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ کا مزار ہے) حاضر ہوا۔ مگر اس سے زیادہ پتہ نہ لگ سکا کہ اس کا ایک نسخہ امام صاحب مسجد درگاہ کے خاندان میں تھا، جو اُنھوں نے نواب ضیاء الدین خاں صاحب مرحوم رئیس اعظم لوہارو کی نذر کیا تھا اور اُن کے کتب خانہ سے میر مجروح مرحوم نے (جو دہلی کے آخری زمانہ کے نامور شعرا میں شمار کیے جاتے تھے) مستعار لیا تھا۔ اُس کے بعد سے اس نسخہ کا پتہ نہیں چلتا۔ انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کی فہرستوں میں بھی اُس کا ذکر نہیں ہے۔ اگر ہمارے علوم کا خزانہ ہماری غفلت

اور لاپروائی سے ضایع نہو جاتا تو ہم کو آج کیوں اسقدر دقت اور پریشانی ایک ایسی عدیم المثال مصنف و شاعر اور صوفی صافی کی تصانیف جمع کرنے میں پیش آتی جن کا نام نامی اُس وقت تک ہندوستان کے لیے مایۂ فخر رہیگا جب تک کہ اس ملک میں فارسی کے جاننے والے اور قدر کرنے والے ناپید نہو جائیں گے بقول سر گور آؤسلے کے حضرت امیر خسروؒ اپنے وقت کے ملک الشعرا تھے اور اُن کی شہرت نے سعدی سے باعظمت شاعر کو ہندوستان کا سفر کرنے کی ترغیب دی۔ اگرچہ بعض تذکروں میں حضرت سعدی شیرازی کا محض حضرت امیر خسرو کی ملاقات کی غرض سے ہندوستان تشریف لانا بیان کیا گیا ہی، مگر اکثر تذکرے اس بارے میں ساکت ہیں اور بعض میں اس واقعہ کو غیر مثبتہ قرار دیا گیا ہی۔ سر گور آؤسلے جو عرصہ تک ایران میں سفیر رہے ہیں اور ظن غالب ہی کہ اُن کو اس امر کی تحقیقات کا زیادہ موقعہ ملا ہوگا، وثوق کے ساتھ بحوالہ جواہر الاسرار شیخ آذری کے لکھتے ہیں کہ جب کل ایشیا میں حضرت امیر کا شہرہ بلند ہوا تو خاص اُن کے ملنے کی غرض سے شیخ سعدی نے بڑھاپے میں ہندوستان کا دور و دراز سفر اختیار کیا اور یہ کہ امیر خسرو کو بجا طور پر ناز تھا کہ ایسے عظیم الشان صوفی اور شاعر نے اُن کی خاطر ضعیفی میں وہ زحمت گوارا فرمائی جس سے جوانوں کی ہمت پست ہوجاتی ہی۔ سر گور آؤسلی کی طرح اور کئی علم دوست یورپین صاحبوں نے ابتدا حکومت کے زمانہ میں اس قسم کی دلچسپ محققانہ تصانیف کی تھیں۔ مگر اب اس ترقی کرنیوالی قوم میں بھی یہ

شوق کم بلکہ مفقود ہوتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی جدید تصنیف سوائے معدودے چند عربی گرامروں (قواعد صرف ونحو) یا سنسکرت اور بھاشا کی رامائینوں وغیرہ کے ترجمہ کے نہ نظر پڑی نہ سننے میں آئی جس سے اس شوق کا جاری رہنا نہیں پایا جاتا اور ثابت ہوتا ہے کہ انسانی قویٰ کی طرح قوموں میں علمی تحقیقات اور ریسرچ کا مادہ بھی اُن کے شباب اور نشو ونما کے زمانہ میں بمقابلہ اُن کے وسط حیات کے زمانہ کے قوی تر ہوتا ہے۔ بہرحال اس کا کچھ بھی سبب ہو، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جس میں خواہ ایشیا ہو یا یورپ علم ادب اور لٹریچر کا ذوق شوق ہر کہ ومہ کے دامنگیر تھا اور ایک موجودہ زمانہ ہے جس میں مادیت کا وہ گہرا رنگ چھا گیا ہے جس نے "اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحراً" کی نازک اور بھینی دل آویز رنگت کو پھیکا اور ماند کردیا ہے۔ مگر اس کا اگر سچا اور پورا چسکا لگ جائے تو کوئی ترشی اس نشہ کو نہیں اُتار سکتی۔ اور مختلف طبایع پر اُس کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے جیسا اُس نازک نگاہ کا جس کی تعریف ذیل کے ہندی دوہرہ میں بہ صنعت لف ونشر مرتب بیان کی گئی ہے:-

آمی ہلاہل مدھ بھرے سیت شام رتنار
(آبحیات) (زہر) (نشہ)

جیت مرت جھک جھک پرت جہ چتوت اکبار
(فعل آمی) (فعل ہلاہل) (فعل مدھ)

اس جملہ معترضہ کی بابت معافی چاہکر مختصراً حضرت امیر کی اُس صنعت کا

ذکر کرتا ہوں جس کو سر گور آؤسلے نے بہت تند و مد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اہمیں شک نہیں کہ خود حضرت امیر اس صنعت کے موجد تھے یعنی ایسے الفاظ کا استعمال جن کے فارسی میں ایک معنی اور ہندی میں دوسرے معنی ہوں اُس زمانہ میں ھنرِ ایجا کا حصہ تھا۔ بطور مثال کے آؤسلے نے ذیل کے اشعار نقل کیے ہیں :۔

رفتم بہ تماشائے کنارِ جوے ‏ دیدم بہ لبِ آب زنِ ہندوے

گفتم صنما بہائے زلفت چہ بود؟ ‏ آواز برآورد کہ در در موے

ان اشعار کی جان الفاظ "در در موے" ہیں جو فارسی میں معنی فی بال ایک موتی کے ہیں اور ہندی زبان میں اُن کا مفہوم مستورات کی اصطلاح میں کسی بے باکی کرنے والے کو غصہ سے ہٹا دینے کا ہے۔ ایک شعر کے اندر مثنوی قران السعدین میں لفظ جوہری کو بھی بہت خوبی سے نباہا ہے۔ اگر "جو" و "ہری" کو الگ الگ پڑھا جاوے تو ہندی میں ہرے جو کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضرت امیر نے ایک اور عجیب و غریب صنعت میں قصیدہ لکھا ہے جس کے ہر شعر کا قافیہ پہلے لفظ کا ہندی ترجمہ ہے۔ مگر وہی لفظ فارسی زبان میں استعمال ہوا ہے۔ اس قصیدے کے دو شعر یہ ہیں :۔

داریم آرزو کہ حکایت کنیم بات

(بات ترجمہ ہے حکایت کا یہاں مُراد ہے "باتو")

لالہ غلام روئے تو صد برگ زیرپات

(پات ترجمہ ہی برگ کا یہاں مُراد ہی "پائے تو")

ہر برہمن کہ دید رُخ خوبت ای صنم
زنّار را گسست و لکد زد بروی لات

(لات ترجمہ ہی لکد کا یہاں مُراد ہی "بُت" سے)

سرگور آؤسلے کی طرز تحریر سے پایا جاتا ہی کہ جو زبان اُن کے ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں یعنی مابین ۱۷۹۲ء و ۱۸۱۰ء عام طور پر بولی جاتی تھی اُس کو ہندوستانی زبان کہتے تھے جو میری رائے ناقص میں اُردو کا پہلا نام ہی۔ اگر بغور دیکھا جائے تو اُردو کی بنیاد ہندوستان ہی کی مختلف زبانوں سے پڑی ہی۔ کیونکہ یہ امر مسلم الثبوت ہی کہ سوائے مخصوص حصّوں کی مخصوص زبانوں کے ہندوستان میں ایک عام زبان بولی جاتی تھی جو پہلے ہندوستانی یا ہندی کہلائی جاتی تھی اور زیادہ صاف ستھری اور نستعلیق ہو کر وہ اُردو کے نام سے ملقب ہو گئی اور میر اور غالب سے شعرا و فصحا کی اعلیٰ پیمانہ کی زبان نے اُس میں چار چاند لگا دیئے ورنہ دراصل اُس وقت کی اُردو زبان بہ زبان حال کہہ سکتی ہی "وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم" اور اُس کے عام ہندوستان کی زبان ہونے کا دعویٰ ارباب انصاف کے نزدیک غالباً بیجا نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ یہ امر حضرت امیر خسرو کی مختلف تحریرات سے جن کا ذکر کہیں کہیں اوپر ہوا ہی ثابت ہوتا ہی کہ اُن کے زمانہ میں جس کو اب چھ سو برس ہوتے ہیں، ایک ایسی زبان مروّج تھی جس کا بڑا حصّہ ہندوستانی یا اُردو

زبان ہیں اس وقت بھی پایا جاتا ہے۔ اور اُس کے محاورات میں بھی زیادہ فرق نہیں
آیا ہے۔ نصفت شعار حضرات اس کا تصفیہ کر سکتے ہیں کہ ایسی حالت میں وہ زبان
جو اپنی بدبختی سے اُردو کے نام سے مشہور ہو گئی آیا فی الحقیقت وہی زبان نہیں ہے
جس کو ہندوستان کی اصلی زبان سمجھا جائے۔ کیا اُردو جو محض اس وجہ سے معرض
زوال میں آ رہی ہے کہ اُس کا موجودہ نام اُردو ہو گیا ہے یہ کہنے کی مستحق نہیں ہے کہ میں
وہی ہندوستان کی زبان ہوں جو آٹھ سو نو سو برس پہلے اس ملک میں بولی جاتی تھی
اور اب زمانہ ناحق میرے پیچھے پڑ کر میرے مٹانے کی فکر میں ہے۔ نیاؤ کرو ہٹ
دھرمی نہ کرو۔ مجھے سنسکرت، عربی، فارسی، بھاشا، بھاکا، مرہٹی، گجراتی، لاطینی، گریک
اور انگلش سب زبانیں بولنی آتی ہیں۔ اور مجھ میں سب کی کھپت اور سمائی ہے"۔

(fiat justitia ruat cœlum)

"انصاف کرو اگرچہ آسمان بھی گر جائے"۔

آخر میں اس بے سروپا تحریر کو حضرت امیرؒ کے اُس ہندی دوہرے پر ختم
کرتا ہوں جو اُنھوں نے خاص حالت جذب میں اپنے پیر و مرشد حضرت سلطان نظام الدین
اولیاؒ کے مزار پُرانوار پر اُن کے وصال کے بعد حاضر ہو کر بے ساختہ پڑھا تھا۔

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس
جا خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چوندیس

اہل تصوف کے نزدیک یہ بہت مقبول دوہرہ ہے۔

اہل کرم سے التجا ہی کہ اس نوٹ کو باریک اور گہری نگاہ سے نکتہ چینی کے لیے ملاحظہ نہ فرماویں اور اس کے اسقام سے درگزر فرمائیں۔

تو ہم از بدی ہبنی اندر سخن بخلقِ جہان آفریں کار کُن

اس موقع پر مجھے جو کچھ عرض کرنا مقصود تھا وہ عرض کر چکا۔ لہٰذا میں اپنا یہ نوٹ ختم کرتا ہوں۔ لیکن میرا یہ نوٹ نامکمل رہ جائے گا اگر میں مولوی ادریس احمد صاحب بی۔ اے جنرل سپرنٹنڈنٹ صدر دفتر مسلم یونیورسٹی کی خدمت کا اعتراف نہ کروں، جنھوں نے ترتیب کلیات امیر خسرو کے کام میں شروع سے اپنی گہری دلچسپی کا عملی ثبوت دیا ہی اور آغاز تحریک سے نہایت قابلیت، ہوشیاری اور دردمندی کے ساتھ اس اہم کام کے اہتمام اور نگرانی میں مجھے مسلسل طور پر مدد دیتے رہے ہیں جس کی وجہ سے میں اُن کا نہایت ممنون ہوں۔ فقط

علی گڑھ:

۲۳ دسمبر ۱۹۱۵ء

یوم پنجشنبہ

خاکسار

محمد اسحاق خاں عفی عنہ

کتبہ محمد احمد علی ثریا رقم